اگست 2009
معارفِ رضا
مدیر اعلیٰ
سید وجاہت رسول قادری
مدیر
پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل (کراچی۔ پاکستان)
25-جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل) صدر، پوسٹ بکس نمبر-7324، جی پی او صدر، کراچی-74400، اسلامی جمہوریہ پاکستان
فون : 92-21-2725150 فیکس : 92-21-2732369+
ای میل : mail@imamahmadraza.net ویب سائٹ : www.imamahmadraza.net

ISBN No. 978-969-9266-04-1

مسلسل اشاعت کا انتیسواں (۲۹) سال

ماہنامہ

معارفِ رضا کراچی
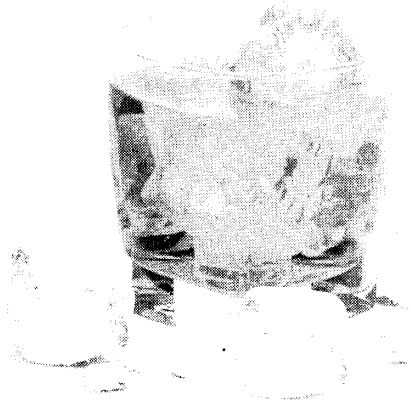
جلد: 29 شمارہ: 8

شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ / اگست ۲۰۰۹ء

ہدیہ فی شمارہ: 30 روپے
سالانہ: عام ڈاک سے: -/300 روپے
رجسٹرڈ ڈاک سے: -/350 روپے
بیرونِ ممالک: 30 امریکی ڈالر سالانہ

نوٹ

دائرے میں سرخ نشان ممبر شپ ختم ہونے کی علامت ہے۔ زرِ تعاون ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔

رقم دستی یا منی آرڈر / بینک ڈرافٹ بنام "ماہنامہ معارفِ رضا" ارسال کریں، چیک قابلِ قبول نہیں۔
ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214-حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

نوٹ: ادارتی بورڈ کا مراسلہ نگار / مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل سے شائع کیا۔)

فہرست

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماوا ہے ہمارا

از: اعلیٰ حضرت مجدّدِ دین وملت امام الشاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماوا ہے ہمارا
خاکی تو وہ آدم جدِ اعلیٰ ہے ہمارا

اللہ ہمیں خاک کرے اپنی طلب میں
یہ خاک تو سرکار سے تمغا ہے ہمارا

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سیدِ عالم
اس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا

خم ہوگئی پشتِ فلک اس طعنِ زمیں سے
سن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا

اس نے لقبِ خاک شہنشاہ سے پایا
جو حیدرِ کرار کہ مولےٰ ہے ہمارا

اے مدّعیو! خاک کو تم خاک نہ سمجھے
اس خاک میں مدفوں شہِ بطحا ہے ہمارا

ہے خاک سے تعمیر مزارِ شہِ کونین
معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا

ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی
آباد رضؔا جس پہ مدینہ ہے ہمارا

منقبت

نذرانۂ عقیدت بہ حضورِ اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں محدث وفاضلِ بریلوی علیہ رحمۃ اللہ الرحمٰن عزوجل

ندیم احمد ندیمؔ قادری نورانی☆

احمد رضا نے محفل نعتوں کی یوں سجائی
قرآں کی آیتوں میں شانِ نبی دکھائی

محبوبِ رب کے عاشق احمد رضا نے بے شک
لاکھوں دِلوں میں شمعِ عشقِ نبی جلائی

ناموسِ شاہِ بطحا کے پاسباں رضا نے
ہر بے ادب کے رد میں نوکِ قلم چلائی

وہ خیرِ اتقیا بھی اور فخرِ اولیا بھی
سر پر اُنھی کے جچتا ہے تاجِ اصفیائی

تعلیمِ اعلیٰ حضرت سے باغِ علم مہکا
فکرِ رضا نے بزمِ افکارِ حق سجائی

کتنے فنون میں وہ ماہر ہیں رب ہی جانے
فہرست کوئی کامل اب تک نظر نہ آئی

اربابِ علم و دانش حیران ہیں رضا پر
اہلِ نظر بھی اُن تک رکھتے نہیں رسائی

اُن کے لب و قلم کی جنبش کے ماحصل سے
اپنے پرائے سب ہی لیتے ہیں رہ نمائی

باغِ رضا سے پھیلیں روحانیت کی شاخیں
اس کے گُلوں سے خوشبو اہلِ صَفا نے پائی

وہ تاجِ اہلِ سنت قصرِ بریلوی سے
دیتے ہیں گنج ہائے فیضانِ مجتبائی

احمد رضا رضائے احمد کے راستوں پر
چل چل کے بن گئے ہیں مرضیِ مصطفائی

غوث الوَرا کے نائب احمد رضا، مدد کن!
مشکل میں آج میں نے لَو آپ سے لگائی

میں نے ندیمؔ جو کچھ شانِ رضا میں لکّھا
فَیضانِ مُرشِدی ہے اور فضلِ کبریائی

☆ آفس سیکریٹری/ پروف ریڈر، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی۔

﴿اپنی بات﴾

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

مدیرِ اعلیٰ، صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

قارئین کرام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جیسا کہ آپ کے علم میں ہے، طالبان کے ''مجاہد'' کے بھیس میں وجود میں آنے اور پھر افغانستان میں طالبان حکومت کے قیام کے وقت سے ہی دیوبندی وہابی مکتبۂ فکر کے علما نے اُن کی غیر مشروط حمایت جاری رکھی، اُدھر طالبان نے بھی بغیر کسی تحفظ کے اپنی وابستگی دیوبندی مکتبۂ فکر سے ظاہر کی۔ اِس مکتبۂ فکر کے جیّد علما مثلاً مفتی تقی عثمانی، مفتی رفیع عثمانی، مفتی سمیع الحق، مفتی حنیف جالندھری، مفتی شامزئی، مفتی یوسف لدھیانوی، مفتی فضل الرحمٰن صاحبان وغیرہم نے طالبان اور ان کی حکومت کے حق میں فتوے جاری کیے جب طالبان افغانستان پر قبضہ کرنے کے لیے وہاں اُس وقت کی حکومت کے خلاف جو ایک اسلامی حکومت تھی، قتال کررہے تھے تو انہی مفتیانِ عظام نے طالبان کے حق میں فتویٰ دیتے ہوئے طالبان کے قتل وغارت گری اور خود کُش حملوں کو جہاد قرار دیا تھا اور پاکستانی دیوبندی مدارس سے ''طالبان مجاہدین'' کی مدد کے لیے طلبا اور عوام الناس کو ترغیب دی جاتی تھی۔ تقریباً تمام دیوبندی مدارس گویا ''مجاہدینِ افغانستان'' کی لام بندی کے مراکز بنے ہوئے تھے۔

لیکن آج جب افغانستان اور پاکستان میں لاکھوں بے گناہ لوگ، مرد وعورت، بچے، طالبان کے عسکری شب خون اور خُود کُش حملوں میں شہید ہو چکے ہیں اور تمام عالمِ اسلام بل کہ پوری دنیا سے دیوبندیت اور وہابیت کو عالمی میڈیا پر مطعون کیا جارہا ہے کہ ع

یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

تو فرزندانِ دیوبند کو ہوش آیا اور انہوں نے اِسی میں عافیت سمجھی کہ خود دیوبند کے مرکز سے طالبان کے خلاف ایک فتویٰ صادر کرواکے اپنے دامن سے خونِ ناحق کا دھبّا چھڑایا جائے۔ خواہ اِس کی زد میں اُن کی کتنی ہی عظیم شخصیات ہی کیوں نہ آتی ہوں۔ تفصیل کے لیے انگریزی اخبار ''ڈان'' مورخہ ۲۰/ مئی ۲۰۰۹ء صفحہ ۱۲ کی خبر:

DEOBAND ULEMA TERM ALL TALIBAN ACTIONS UN-ISLAMIC

دارالعلوم دیوبند (ہندوستان) کے علما نے طالبان کی تمام حرکتوں اور کاروائیوں کو غیر اسلامی (حرام) قرار دیدیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ہندوستان کی کانگریسی حکومت کے پریشر کا نتیجہ ہو کیوں کہ کانگریس اور دیوبند کا ہمیشہ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس میں مزید لکھا ہے کہ پاکستانی دیوبندی عالم، جمعیتِ علمائے اسلام کے سربراہ جناب فضل الرحمٰن صاحب عالم نہیں ہیں اس لیے طالبان کے حق میں ان کا فتویٰ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ لیکن ان کے علاوہ درج بالا جن مذکورہ علما نے طالبان کے حق میں متعدد بار بلکہ تاحال فتوے دیے، اُن کا ذکر نہیں کیا گیا۔ شاید اِس لیے کہ اُس میں اُن کا اپنا پیٹ ننگا ہوتا ہے۔ چونکہ اُن کے

بارے میں تو یہ کہہ نہیں سکتے کہ دیوبند مکتبۂ فکر کے یہ تمام مذکورہ علما غیر عالم یا غیر مفتی یا جاہل ہیں پھر تو علمائے دیوبند کی اسناد سے اعتبار ہی ختم ہو جائے گا۔ خیر کوئی بات نہیں، اِس وقت علمائے دیوبند پر بُرا وقت آن پڑا ہے لہٰذا بوکھلاہٹ اور پریشانی کے عالم میں ایسے فتوے صادر ہوتے ہیں اور یہ دیوبندی علما کی پرانی اور آبائی روش رہی ہے۔ اِس کی بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں لیکن خوفِ طوالت اِس کی اجازت نہیں دیتا۔ اِس موضوع پر مطالعہ کا شوق رکھنے والے علامہ مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف "خون کے آنسو" اور علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ کی مصنّفہ کتاب "زلزلہ" ملاحظہ کرلیں۔ دیوبند کے مرکز سے جو فتوے صادر ہوتے ہیں، وہ سیاسی، ذاتی اور مسلکی مفاد کے تحت ہوتے ہیں۔ جب سیاسی مفاد بدل جاتے ہیں تو فتوے بھی بدل جاتے ہیں۔ افسوس کہ اِس کے باوجود ہمارے رہبر و رہنما ہونے کے مدعی بعض علما و مفتیان بل کہ بزعم خویش "مفتی اعظم" اِن سے اِتحاد و وداد کی باتیں ہی نہیں کرتے ہیں بل کہ ان کے پروردہ دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید ہونے والے اہلِ سنت والجماعت کے جیّد عالمِ دین کے مقتل پر کھڑے ہو کر قاتلانِ علمائے اہلِ سنّت کی براءت کا اعلان کرتے ہیں۔

جب علامہ ڈاکٹر محمد اقبال نے مولوی حسین احمد کے بارے میں ایک قطعہ کہا تھا تو اُس وقت بھی حضراتِ دیوبند نے علامہ اقبال کو بزعم خویش جاہل قرار دے کر درج ذیل شعر کو لغو قرار دیا تھا ؏

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

پاکستان کے قیام کے بعد اب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ علامہ نے شیخ دیوبند سے معافی مانگ لی تھی اور یہ وعدہ کیا تھا کہ اپنے دیوان سے اِس شعر کو نکال دیں گے لیکن جب اُن کا دیوان شائع ہوا تو ایک سازش کے تحت اِس قطعہ کو جس میں شیخ دیوبند کی ہجو کی گئی ہے، شائع کر دیا گیا۔ ان دیوبندی علما کی سرشت شروع ہی سے تضاد بیانی کی رہی ہے۔ جیسا مفاد دیکھا، اُسی کے مطابق فتویٰ دے دیا۔ اور ظاہر ہے کہ جھوٹ کے پیر نہیں ہوتے، ایسا کرتے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ گذشتہ کل ہم نے کیا کہا تھا۔ اکبرؔ الٰہ آبادی نے ان دیوبندی علما کے انہی سیاسی فتووں کو دیکھ کر یہ فرمایا تھا۔

یہ کانگریسی ملا، تم کو بتاؤں کیا ہیں؟
گاندھی کی پالیسی کے عربی میں ترجمہ ہیں

جماعتِ اسلامی کے بانی مودودی صاحب جو عقائد کے اعتبار سے دیوبندی نظریات کے حامل ہیں، وہ علمائے دیوبند کے مفاد پرستانہ فتووں اور تضاد بیانی کے شاکی ہیں۔ چنانچہ اُن کی رائے ملاحظہ فرمائیں:

"میں صاف کہتا ہوں کہ اِن (دیوبندی مولویوں) کے نزدیک کونسلوں اور اسمبلیوں کی شرکت ایک دن حرام اور دوسرے دن حلال کر دینا ایک کھیل بن گیا ہے، اس لیے کہ ان کی تحلیل و تحریم حقیقتِ نفس الامری کے اِدراک پر تو مبنی نہیں، محض گاندھی جی کی جنبشِ لب کے ساتھ اِن کا فتویٰ گردش کرتا ہے۔"

غالباً مودودی صاحب کے اِن ہی خیالات کی بنا پر علمائے دیوبند بشمول مفتی محمود صاحب (والد مولوی فضل الرحمن صاحب صدر جمیعت العلمائے اسلام) نے مودودی صاحب اور جماعتِ اسلامی کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا تھا جو مکتبۂ حلمی عشق، استنبول، ترکی سے بھی شائع ہو چکا ہے۔ مودودی صاحب کے خلاف اِس فتوے بازی کے سرغنہ مولوی ٹانڈوی (حسین احمد صاحب) تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولوی ٹانڈوی اور اکابرِ دیوبند کے معتقدین و متبعین

نے جماعتِ مودودی سے تعلق رکھنے والے امام اور مدرّسین کو مسجد کی اِمامت اور مدارس کی مدرسی سے علیحدہ کر دیا تھا۔ چنانچہ ماہنامہ ''تجلّی'' (مدیر، مولوی عامر عثمانی دیوبندی) نے علماے دیوبند بالخصوص مولوی ٹانڈوی کی مودودی صاحب کے خلاف فتویٔ کفر اور اس تحریک کو فتنہ انگیز، غیر ذمہ دارانہ، خلافِ حقیقت اور افترا پردازی کا نتیجہ قرار دے کر اس کی مذمت کی (ملاحظہ ہو ماہنامہ ''تجلّی''، شمارہ فروری/ مارچ ۱۹۵۷ء، ص:۶۳)۔ اسی دوران مودودی جماعت کے ایک فرد کی طرف سے (غالباً مولوی عامر عثمانی کی جانب سے) مولوی قاسم نانوتوی صاحب کی کتاب ''تحذیر الناس'' کی ایک بدنام زمانہ متنازعہ عبارت کو استفتا کی صورت میں علماے دیوبند کے سامنے تحریری طور پر پیش کیا اور سوال اس طرح مرتب کیا کہ اُس سے یہ عندیہ ملتا تھا کہ یہ مودودی صاحب کی عبارت ہے۔ اُس پر مفتیٔ دیوبند نے یہ فتویٰ دیا کہ

''ایسے عقیدے والا کافر ہے جب تک تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح نہ کرے، اُس سے قطع تعلق رکھیں۔''

گویا مفتی صاحب نے انجانے میں خود اپنے مربی جن کو یہ بانیٔ دیوبند کہتے ہیں یعنی مولوی قاسم نانوتوی کو کافر قرار دے دیا۔

اس گھر کو آگ ــــ لگ گئی گھر کے چراغ سے

بعد میں اِس فتوے کی پوری تفصیل مولوی عامر عثمانی نے اپنے ماہنامہ ''تجلّی''، شمارہ اپریل ۱۹۵۶ء میں شائع کر دی۔ اُس کے بعد ماہنامہ ''دعوت'' دہلی اور بعض دیگر اخبارات میں بھی شائع ہوئی۔ چنانچہ اُس وقت کے مہتمم دارالعلوم (قاری طیب صاحب) کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا کہ یہ فتویٰ اُن ہی کے مفتی کا ہے مگر دھوکا دے کر لیا گیا ہے۔ اگر استفتا کرنے والا بتادیتا کہ یہ عبارت تحذیر الناس سے منقول ہے تو جواب دوسرا ہوتا۔

اِس دو رُخی پر ماہنامہ ''تجلّی''، فروری/ مارچ ۱۹۵۷ء، ص:۱۵ کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

''اب ہم آپ کو بتادیں کہ ماہنامہ دارالعلوم کے قلم کاروں کو اگر جنید و غزالی یا امام ابو حنیفہ کی بھی کسی عبارت کے متعلق غلطی سے یہ یقین ہو جائے کہ مولانا مودودی کی ہے تو اُس کے مفہوم اور تعبیرات کو وہ الحاد و زندقہ اور خروج و اعتزال سے ملانے کی سعی کریں گے اور خوش ہوں گے کہ قوم کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔''

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند ایک ایسا حمام ہے جس میں سب ننگے ہیں۔ یہاں فتوے کا معیار احقاقِ حق نہیں بلکہ ذاتی مفاد اور سیاسی و مسلکی عناد ہے۔ ایک عبارت یا قول اگر اُن کے سیاسی حریف یا مسلکی مخالف سے منسوب ہو تو بِلا سوچے سمجھے نہایت عجلت کے ساتھ قلم برداشتہ اُس کو کفریہ یا شرکیہ ثابت کرنے کی سعیِ لاحاصل کریں گے اور اگر بعینہٖ وہی عبارت و قول اُن کے اَپنے اکابرین سے منسوب ہو تو اُس کو عینِ اسلام ثابت کرنے کے لیے زمین و آسمان کے قلابے مِلادیں گے۔ حد تو یہ ہے کہ رشوت لے کر یہ خود اپنے صادر شدہ فتوے بدل دیتے ہیں۔ قارئین کرام! آپ کو یاد ہوگا کہ تقریباً دو سال قبل دارالعلوم دیوبند کے ایک مفتی صاحب نے کریڈٹ کارڈ اور طلاق سے متعلق ایک فتوے کو رشوت لے کر بدل دیا تھا۔ اُس کی تفصیل برصغیر پاک و ہند کے نہ صرف تمام بڑے اخبارات میں آئی تھی (راقم نے خود انگریزی روزنامہ ''ڈان'' میں یہ خبر پڑھی تھی) بلکہ الیکٹرونک میڈیا نے باقاعدہ ٹیپ شدہ ریکارڈ دکھایا تھا۔ خود فاضل دیوبند مولوی سعید احمد اکبر آبادی بھی علماے دیوبند کی بعض تحریرات میں تعارض و تناقص کے بارے میں حیران و ششدر نظر آتے ہیں (ملاحظہ ہوں ماہنامہ ''برہان''

۱۹۵۲ھ کے فروری / مارچ کے شمارے)۔

فاضل اکبر آبادی کی اِس حیرانی و پریشانی پر حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمۃ نے بڑا خوب صورت تبصرہ فرمایا ہے جو ہم قارئین کرام کی تفننِ طبع کے لیے اِنہی کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

"فاضل اکبر آبادی ایک ہی تعارض و تناقص میں حیران و ششدر ہیں حالانکہ علمائے دیوبند کی عبارات میں تناقص و تعارض کی حیثیت سلسلۂ غیر متناہی بمعنی "لاتقف إلی حدٍ" کی ہوتی جارہی ہے جو تسلسل منطقیوں کی نظر میں محال تھا وہ اب ممکن الوقوع ہوتا جارہا ہے۔ واضح رہے کہ وہابیوں اور دیوبندیوں کی نظر میں "مولانا" اسماعیل"، "مولانا" گنگوہی، "مولانا" تھانوی کی حیثیت ایک معتبر نائی کی ہے، جیسا کہ ایک واقعہ مشہور ہے:

کسی شہر میں کوئی حجام پہنچا
ملاقات حجمان سے کرکے بولا
کہ بی بی تمہاری ہوئیں آج بیوہ
میاں تم کو اِس غم میں ماتم ہے زیبا
سنا جب اُنھوں نے بہت روئے پیٹے
کہ افسوس بیوی ہوئی میری بیوہ
تو احباب نے اُن کو آکر بتایا
کہ بیوہ ہوئی کیسے تم تو ہو زندہ
لگے کہنے قاصد بھی تو معتبر ہے
پھر اُسکو میں کس طرح سمجھوں گا جھوٹا

بالکل یہی حال علمائے دیوبند کا ہے۔ جناب سعید احمد اکبر آبادی لاکھ کہتے رہیں کہ آں حضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے اور اس کے خلاف تھانوی صاحب نے یہ فرمایا، لہٰذا کس پر عمل کیا جائے؟ تو جواب ایک ہوگا، صرف ایک کہ "ہم مولانا تھانوی پر اعتبار کرچکے ہیں"، معتبر نائی کی بات جھٹلائی نہیں جاتی۔ کیا آج کی دنیا میں اِس سے بڑھ کر شخصیت پرستی کی کوئی جیتی جاگتی مثال مل سکتی ہے کہ خود دیوبند کا ایک فاضل کہہ رہا ہے کہ تھانوی صاحب کی یہ ہدایت مصلحِ اعظم سرورِ کونین ﷺ کی سیرتِ مقدسہ کے خلاف ہیں، اِس کے باوجود حضراتِ دیوبند خوابِ خرگوش میں پڑے سانس ڈکار نہیں لیتے، گویا گوارا ہے کہ رسولِ کائنات ﷺ سے رشتہ و ناطہ ٹوٹ جائے، "حکیم الأمت مولانا تھانوی" کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اب جس کی عقل ماری گئی ہے وہ علمائے دیوبند کی ہاں میں ہاں ملائے اور اُن کی جی حضوری ہی کو حاصلِ زندگی سمجھے لیکن خدا نے جس کو تھوڑی بہت عقل دی ہے (اور ایمان کی حلاوت بھی۔۔۔وجاہت) وہ سوچ سکتا ہے کہ علمائے دیوبند کی نظر میں رسولِ کائنات ﷺ کی کیا حیثیت ہے اور ان کے خانہ ساز مجدد اعظم مولانا تھانوی کی کیا حیثیت؟"

(علامہ مشتاق احمد نظامی، خون کے آنسو، ۱۹۶۱ء، ناشر مکتبۂ پاسبان، الہ آباد، ص:۱۵۵۔۱۵۶)

وہ عشرت موت ہے یاربّ جو نظر پر ڈال دے پردے
وہ دولت قہر ہے دل کو جو تجھ سے بے خبر کردے

معتزلیوں، وہابیوں اور دیگر بدمذہبوں کی اِنہی فتنہ انگیزیوں سے اپنے عقیدہ و ایمان کی حفاظت کی خاطر صدیوں سے ہمارے علما و مشائخ صاحبِ دلائل الخیرات کے الفاظ میں دعا مانگتے رہنے کی تلقین و تعلیم کرتے چلے آئے ہیں:

اَللّٰھُمَّ یَارَبِّ بِجَاہِ نَبِیِّکَ الْمُصْطَفٰی وَرَسُوْلِکَ الْمُرْتَضٰی طَھِّرْ قُلُوْبَنَا مِنْ کُلِّ وَصْفٍ یُّبَاعِدُنَا عَنْ مُشَاھَدَتِکَ وَ مَحَبَّتِکَ وَ اَمِتْنَا عَلَی السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ وَالشَّوْقِ اِلٰی لِقَائِکَ یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَاِمَامِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَ سَلَّمَ تَسْلِیْمًا وَّسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

تفسیر رضوی

سورة البقرة

معارف قرآن
من افاضات امام احمد رضا

مرتبہ: مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

گذشتہ سے پیوستہ

۴۱۵۷۔ عن عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم: من فتحت له ابواب الدعاء فتحت له ابواب الرحمة.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے لیے دعا کے دروازے کھلے اس کے لیے رحمت کے دروازے کھل گئے۔ ذیل المدعا ص ۱۱۔

۴۱۵۸۔ عن عبادة بن الصامت رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم: من استغفر للمؤمنین وا لمؤمنات کتب اللّٰہ له لکل مؤمن ومؤمنة حسنة۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رشاد فرمایا: جو سب مسلمانوں مردوں اور عورتوں کے لیے استغفار کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر مسلمان مرد ومسلمان عورت کے بدلے ایک نیکی لکھے گا۔

۴۱۵۹۔ عن أبی الدرداء رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم: من استغفر للمومنین وا لمؤمنات کل یوم سبعا عشرین مرة کان من الذین یستحباب لهم و یرزق بهم اهل الارض۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو ہر روز مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیے ستائیس بار استغفار کرے ان لوگوں میں ہو جن کی دعا قبول ہوتی ہے اور جن کی برکت سے خلق کو روزی ملتی ہے۔

۴۱۶۰۔ عن انس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم: من استغفر للمومن و المومنات استغفر کل مولود من بنی آدم حتی مات۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے استغفار کرے بنی آدم کے جتنے بچے پیدا ہوں سب اس کے لئے استغفار کریں یہاں تک کہ وفات پائے۔ ذیل المدعا۔ ۲۶

﴿۳۱﴾ امام احمد رضا محدثِ بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

فقیر نے اس بارے میں اس لیے بکثرت احادیث نقل کیں کہ مسلمانوں کو رغبت ہو۔ بعض طبائع دعا میں بخل کرتی ہیں اور نہیں جانتیں کہ یہ خود ان کا ہی نقصان ہے۔ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی دعائے خیر میں ملائکۂ آسمان مشغول ہیں۔

و یستغفرون لمن فی الارض الایه.

اور ملائکہ اہل زمیں کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ ذیل المدعا ۲۸

۴۱۶۰۔ عن أبی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم: اذا دعا الغائب لغائب قال له الملک و لک مثل ذلک۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص کسی شخص کی عدم موجودگی میں اس کے لیے دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے: اور تیرے لیے بھی اسی کے مثل بھلائی ہے۔ ۱۲م

۴۱۶۱۔ عن هلال بن یساف رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه مرسلا قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: اذا دعا العبد بدعوة فلم یستجب له کتبت له حسنة۔

حضرت ہلال بن یساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کسی بندے کی دعا قبول نہ ہو تو اسے ثواب ضرور ملتا ہے۔

۴۱۶۲۔ عن ثوبان رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم: الدعاء یرد القضاء، و ان البر یزید فی الرزق، و ان العبد لیحرم الرزق بذنب یصیبہ۔

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دعا قضا کو ٹال دیتی ہے، اور بیشک نیکی رزق کشادہ کرتی ہے، اور بندہ کسی گناہ کے سبب رزق سے محروم ہوتا ہے۔

۴۱۶۳۔ عن أبی موسی الاشعری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم: الدعاء جند من اجناد اللّٰہ تعالی مجند یرد القضاء بعد

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دعا اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے کہ قضا مبرم کو بھی ٹال دیتی ہے۔

تحقیق اس مقام پر یہ ہے کہ قضائے معلق دو قسم ہے معلق محض جس کی تعلیق کا ذکر لوحِ محو واثبات یا صحفِ ملائکہ میں بھی ہے، عام اولیا جن کے علوم اس سے متجاوز نہیں ہوتے، ایسی قضا کے دفع پر دعا کی ہمت فرماتے ہیں کہ انہیں بہ وجہ ذکر تعلیق اس کا قابل دفع ہونا معلوم ہوتا ہے۔

دوسری معلق شبیہ بالمبرم کہ علمِ الٰہی میں تو معلوم ہے مگر لوحِ محو واثبات ودفاترِ ملائکہ میں اس کی تعلیق مذکور نہیں، وہ ان ملائکہ اور عام اولیا کے علم میں مبرم ہوتی ہے۔ مگر خواص عباد اللہ جنہیں امتیاز خاص ہے بہ الہامِ ربانی بلکہ برویت مقام ارفع حضرت مخدع اس کی تعلیقِ باطنی پر مطلع ہوتے ہیں اور اس کے دفع میں دعا کا اذن پاتے ہیں۔ اور یہ عام مومنین جنہیں الواح وصحائف پر اطلاع نہیں حسب عادت دعا کرتے ہیں اور وہ بہ بوجہ اس تعلیق کے جو علمِ الٰہی میں تھی مندفع ہوجاتی ہے، یہ وہ قضائے مبرم ہے جو صلاح رد ہے اور اسی کی نسبت حضور غوثیت کا ارشادِ امجد، ولہذا فرماتے ہیں: تمام اولیا مقامِ قدر پر پہنچ کر رک جاتے ہیں سوا میرے کہ جب میں وہاں پہنچا تو میرے لیے اس میں ایک روزن کھولا گیا جس میں داخل ہو کر نزعت اقدار الحق بالحق للحق تقدیرات حق سے حق کے ساتھ حق کے لیے منازعت کی۔ مرد وہ ہے جو منازعت کرے نہ وہ کہ تسلیم۔ ذیل المدعا ص ۱۲۷

حواشی و حوالہ جات

۴۱۵۶۔ المستدرک للحاکم، ۱/ ۲۲۹
☆ الدر المنثور للسیوطی، ۱/ ۱۹۵
العلل المتناھیۃ لا بن الجوزی، ۲/ ۲۶۰
☆ تاریخ بغداد للخطیب، ۸/ ۴۵۲
۴۱۵۷۔ الجامع للترمذی، ابواب الدعوات، ۲/ ۱۹۳
المستدرک للحاکم، ۱/ ۶۷۵
☆ الدر المنثور للسیوطی، ۱/ ۱۹۶
الترغیب والترھیب للمنذری، ۵/ ۴۷۹
☆ فتح الباری للعسقلانی، ۱۱/ ۱۴۱
اتحاف السادۃ لزبیدی، ۵/ ۳۰
☆ کنز العمال للمتقی، ۳۱۳۰، ۲/ ۶۴
مشکوۃ المصابیح للتبریزی، ۲۲۳۹
۴۱۵۸۔ التاریخ الکبیر للبخاری، ۴/ ۲۱۹
☆ کنز العمال للمتقی، ۲۰۶۷، ۱/ ۴۷۵
مجمع الزوائد للھیثمی، ۵/ ۸۱
☆ الجامع الصغیر للسیوطی، ۲/ ۵۱۳
المغنی للعراقی، ۱/ ۳۲۴ ☆
۴۱۵۹۔ الجامع الصغیر للسیوطی، ۲/ ۵۱۳
☆ کنز العمال للمتقی، ۲۰۶۸، ۱/ ۴۷۶
۴۱۶۰۔ الکامل لابن عدی، ۲/ ۴۲۸
☆ الجامع الصغیر للسیوطی، ۱/ ۴۳
۴۱۶۱۔ کنز العمال للمتقی، ۳۱۵۰، ۲/ ۶۷
☆ الجامع الصغیر للسیوطی ۱/ ۴۳
۴۱۶۲۔ الترغیب والترھیب للمنذری، ۳/ ۵۹۶
☆ کشف الخفا للعجلونی، ۱/ ۴۸۶
کنز العمال للمتقی، ۳۱۱۸، ۲/ ۶۲
☆ الجامع الصغیر للسیوطی، ۲/ ۲۵۹
۴۱۶۳۔ تاریخ دمشق لابن عساکر ۶/ ۲۴۱،
☆ کنز العمال للمتقی، ۳۱۱۹، ۲/ ۶۳

﴿جاری ہے......﴾

۱۱۔شعب ایمان

معارف حدیث
من افاضات امام احمد رضا

مرتبہ: مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

گذشتہ سے پیوستہ

﴿۵﴾ امام احمد رضا محدثِ بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

دیگر اعضا وجہ وراس کے معنی میں نہیں اگرچہ مدارِ حیات ہونے میں مماثل ہوں کہ چہرہ ہی تصویر جاندار میں اصل ہے۔ ولہٰذا سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کا نام تصویر رکھا۔ اور شک نہیں کہ فقط چہرہ کو تصویر کہتے اور بنانے والے بارہا اس پر اختصار کرتے ہیں ملوک نصاریٰ کہ سکہ میں اپنی تصویر چاہتے ہیں اکثر فقط چہرہ تک رکھتے ہیں اور بیشک عامہ مقاصد تصویر چہرہ سے حاصل ہوتے ہیں۔

تصویر میں حیات آپ تو کسی حالت میں نہیں ہوتی۔ وہ کسی حال میں جملہ اعضاے مدار حیات کا استیعاب نہیں کرتی عکسی میں تو ظاہر ہے کہ اگر پورے قد کی بھی ہو تو صرف ایک سطح بالا کا عکس لائیگی۔ خول میں نصف جسم بھی ہوتا تو عادتاً حیات ناممکن ہوتی نہ کہ صرف نصف سطح۔ اور بت میں بھی اندرونی اعضا مثل دل وجگر وعروق نہیں ہوتے۔ اور ڈاکٹری کی ایک خاص تصویر لیجیے جس میں اندر باہر کے رگ وپٹھے تک دکھائے جاتے ہیں تو رگوں میں خون کہاں سے آئے گا۔ غرض تصویر کسی طرح استیعاب ما بہ الحیات نہیں ہوسکتی۔ فقط فرق حکایت وفہم ناظر کا ہے اور اسکی حکایت محکی عنہ میں حیات کا پتہ دے۔ یعنی ناظر یہ سمجھے کہ گویا ذوالتصویر زندہ کو دیکھ رہا ہوں۔ تو وہ تصویر ذی روح کی ہے۔ اور اگر حکایتِ حیات نہ کرے ناظر اسکے ملاحظہ سے جانے کہ یہ حی کی صورت نہیں۔ میت وبے روح کی ہے تو وہ تصویر غیر ذی روح کی ہے۔

فتاوٰی رضویہ حصہ دوم ۹/۵۰

(۳۱) موضع اہانت میں تصویر کا حکم

۲۰۱۔ عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم انه رخص فیما کان یوطأ وکره ما کان منصوبا.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روندی جانے والی تصویر کو باقی رکھنے کی رخصت عطا فرمائی لیکن لٹکانے والی تصویروں کو ناجائز ہی فرمایا۔ فتاوٰی رضویہ حصہ دوم ۹/۵۳

(۱) حقوق اللہ وحقوق العباد

۲۰۲. عن أم المؤمنین عائشة الصدیقة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم :اَلدَّوَاوِیْنُ ثَلٰثَةٌ ، فَدِیْوَانٌ لا یَغْفِرُ اللّٰهُ مِنْهُ شَیْئًا وَدِیْوَانٌ لایَعْبَأُ اللّٰهُ مِنْهُ شَیْئًا وَدِیْوَانٌ لا یَتْرُکُ اللّٰهُ مِنْهُ شَیْئًا . فَاَمَّا الدِّیْوَانُ الَّذِیْ لایَغْفِرُ اللّٰهُ مِنْهُ شَیْئًا اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰهِ، وَاَمَّا الدِّیْوَانُ الَّذِی لایَعْبَأُ اللّٰهُ مِنْهُ شَیْئًا ظَلَمَ الْعَبْدُ نَفْسَهٗ فِیْمَا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ رَبِّهٖ مِنْ صَوْمِ یَوْمٍ تَرَکَ اَوْ صَلٰوةٍ تَرَکَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ ذٰلِکَ اِنْ شَاءَ وَتَجَاوَزَ، وَاَمَّا الدِّیْوَانُ الَّذِی لایَتْرُکُ اللّٰهُ مِنْهُ شَیْئًا فَمَظَالِمُ الْعِبَادِ بَیْنَهُمُ الْقِصَاصُ لاَ مُحَالَةَ.

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دفتر تین ہیں۔ ایک دفتر میں سے اللہ تعالیٰ کچھ معاف نہ فرمائے گا۔ اور دوسرے کی اللہ تعالیٰ کو کچھ پرواہ نہیں۔ اور تیسرے میں سے اللہ تعالیٰ کچھ نہ چھوڑیگا۔ وہ

دفتر جس میں سے اللہ تعالیٰ کچھ معاف نہ فرمائے گا وہ دفتر کفر ہے۔ اور جس کی اللہ تعالیٰ کو کچھ پرواہ نہیں وہ بندے کا اپنے رب کے معاملے میں اپنی جان پر ظلم کرنا ہے کہ کسی دن کا روزہ چھوڑ دیا نماز چھوڑ دی۔ اللہ تعالیٰ چاہے گا تو معاف کر دے گا اور درگزر فرمائے گا۔ اور وہ دفتر جس میں سے اللہ تعالیٰ کچھ نہ چھوڑے گا وہ بندوں کے باہم ایک دوسرے پر ظلم ہیں۔ انکا بدلہ ضرور ہونا ہے۔ فتاویٰ رضویہ ۴/۸۷

(۲) مسلمان کامل کی علامت

۲۰۳. عن عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ، وَالْمُھَاجِرُ مَنْ ھَجَرَ مَانَھَی اللّٰہُ عَنْہُ۔ فتاوٰی رضویہ ۴/۶۷

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ اور حقیقی مہاجر وہ ہے جس نے ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیا جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ ۱۲م

(۳) محبت رسول

۲۰۴. عن أنس بن مالک رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم: لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں کوئی شخص مسلمان نہیں ہوتا جب تک میں اسے اسکے ماں باپ اولاد اور تمام آدمیوں سے زیادہ پیارا نہ ہوجاؤں۔ فتاویٰ رضویہ ۳/۲۴۰

﴿حوالہ جات﴾

۲۰۱۔ اس حدیث کا حوالہ نہیں مل سکا۔ ۱۲م ☆

۲۰۲۔ المستدرک للحاکم، الاھوال، ۴/ ۵۷۵

☆ المسند لاحمد بن حنبل، ٦/ ٢٤٠

☆ الجامع الصغیر للسیوطی، ٢/ ٢٦١

☆ اتحاف السادة للزبیدی، ٨/ ٥٢٩

☆ کنز العمال للمتقی، ١١٠٣١، ٦/ ٢٣٣

☆ تاریخ اصفہان لابی نعیم، ٢/ ٢

۲۰۳۔ الجامع الصحیح للبخاری، الایمان، ١/ ٦

☆ السنن لابی داؤد، الجہاد، ١/ ٣٣٦

☆ الجامع للترمذی، الایمان، ٢/ ٨٧

☆ الصحیح لمسلم، الایمان، ١/ ٤٨

☆ الجامع الصغیر للسیوطی، ٢/ ١٥٥

☆ المسند لاحمد بن حنبل، ٢/ ١٦٠

☆ السنن الکبری للبیہقی، ١٠/ ١٨٧

☆ المعجم الکبیر للطبرانی، ١/ ٣٥٦

☆ حلیة الاولیاء لابی نعیم، ٤/ ٣٣٣

☆ فتح الباری للعسقلانی، ٥٣

☆ کنز العمال للمتقی، ٣٨٧

☆ اتحاف السادة للزبیدی، ٦/ ٣٥٣

☆ المستدرک للحاکم، ١/ ١٠

☆ التفسیر للبغوی، ١/ ٢٧

۲۰۴. الجامع الصحیح للبخاری، الایمان، ١/ ٧

☆ الصحیح لمسلم، الایمان، ١/ ٤٩

☆ السنن للنسائی، الایمان، ٢/ ٢٣٢

☆ السنن لابن ماجة، المقدمة، ١/ ٨

☆ المسند لاحمد بن حنبل، ٣/ ١٧٧

☆ السنن للدارمی، ٢/ ٣٠٧

☆ شرح السنة للبغوی، ١/ ٥٠

☆ المستدرک للحاکم، ٢/ ٤٨٦

☆ اتحاف السادة للزبیدی، ٩/ ٥٤٧

☆ الجامع الصغیر للسیوطی، ٢/ ٥٨٦

﴿جاری ہے......﴾

رسالہ: انوار الانتباہ فی حل نداء یا رسول اللہ
(یارسول اللہ کہنے کے جواز کے بارے میں نورانی تنبیہیں)

مصنف: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

امام طبرانی پھر امام منذری فرماتے ہیں والحدیث صحیح [۲]۔ امام بخاری کتاب الادب [۳] المفرد میں اور امام ابن السنی وامام ابن بشکوال روایت کرتے ہیں:

انّ ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما خدرت رجلہ فقیل لہ اذکر احب الناس الیک فصاح یا محمداہ فانتشرت۔ [۴]

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پاؤں سوگیا، کسی نے کہا انھیں یاد کیجیے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ حضرت نے بہ آوازِ بلند کہا یا محمداہ! فوراً پاؤں کھل گیا۔

امام نووی شارح صحیح مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الاذکار میں اس کی مثل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس کسی آدمی کا پاؤں سوگیا تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: تُو اُس شخص کو یاد کر جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ تو اس نے یا محمداہ کہا، اچھا ہوگیا۔ [۵] اور یہ امر ان دو صحابیوں کے سوا اوروں سے بھی مروی ہوا۔ اہلِ مدینہ میں قدیم سے اس یا محمداہ کہنے کی عادت چلی آتی ہے۔

علامہ شہاب خفاجی مصری نسیم الریاض شرح شفا امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

ھذا مما تعاھدہٗ اھل المدینۃ. [۶]

یہ اہلِ مدینہ کے معمولات میں سے ہے۔ (ت)

حضرت بلال بن الحارث مزنی سے قحط عام الرمادہ میں کہ بعد خلافتِ فاروقی ۱۸ھ میں واقع ہوا، ان کی قوم بنی مزینہ نے درخواست کی کہ ہم مرے جاتے ہیں کوئی بکری ذبح کیجیے، فرمایا بکریوں میں کچھ نہیں رہا ہے۔ انھوں نے اصرار کیا، آخر ذبح کی، کھال کھینچی تو نری سُرخ ہڈی نکلی۔ یہ دیکھ کر بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ندا کی: یا محمداہ۔ پھر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں تشریف لاکر بشارت دی۔ ذکرہٗ فی الکامل [۷] (اس کو کامل میں ذکر کیا گیا۔ ت)

امام مجتہد فقیہ اجل عبدالرحمٰن ہذلی کوفی مسعودی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے اور اجلۂ تبع تابعین واکابر ائمۂ مجتہدین سے ہیں سَر پر بلند ٹوپی رکھتے جس میں لکھا تھا:

مُحَمَّدٌ یا منصورُ۔ اور ظاہر ہے کہ اَلْقَلَمُ اَحَدُ اللِّسَانَیْنِ (قلم دو زبانوں میں سے ایک ہے۔ ت) ہیثم بن جمیل انطاکی کہ ثقات علمائے محدثین سے ہیں اِنھیں امامِ اجل کی نسبت فرماتے ہیں:

رایتہ وعلیٰ رأسہٖ قلنسوتہ اَطْوَلُ مِن ذراع مکتوب فیھا محمد یا منصور۔ ذکرہ فی تہزیب التھذیب وغیرہ۔ [۸]

میں نے اُن کو دیکھا ان کے سر پر ہاتھ بھر سے لمبی ٹوپی تھی جس میں لکھا ہوا تھا محمدؐ یا منصور۔ اس کو تہذیب التہذیب وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

امام شیخ الاسلام شہاب رملی انصاری کے فتاویٰ میں ہے:

سُئِل عمّا یقع من العامّۃِ من قولھم عند الشدائد یا

شیخ فلان ونحو ذٰلک من الاستغاثة بالانبیاء والمرسلین والصالحین وھل للمشائخ اِغاثة بعد موتھم ام لا؟ فاجاب بما نَصّهٗ اَنّ الاستغاثة بالانبیاء و المرسلین والاولیاء والعلماء الصّالحین جائزةٌ وللانبیاء وللرّسل والاولیاء والصالحینِ اغاثة بعد موتھم الخ۔[۹]

یعنی ان سے استفتا ہوا کہ عام لوگ جو سختیوں کے وقت انبیا و مرسلین و اولیا و صالحین سے فریاد کرتے اور یا شیخ فلاں (یارسول اللہ، یاعلی، یا شیخ عبدالقادر جیلانی) اور ان کی مثل کلمات کہتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اولیا بعد انتقال کے بھی مدد فرماتے ہیں یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ بیشک انبیا و مرسلین و اولیا و علما سے مدد مانگنی جائز ہے اور وہ بعد انتقال بھی امداد فرماتے ہیں الخ۔

علامہ خیر الدین رملی اُستاذ صاحبِ دُرِمُختار، فتاوٰی خیریہ میں فرماتے ہیں:

قولھم یا شیخ عبد القادر فھو نداء فما الموجب لحرمته۔[۱۰]

لوگوں کا کہنا کہ ''یا شیخ عبدالقادر'' یہ ایک ندا ہے پھر اس کی حُرمت کا سبب کیا ہے۔

سیدی جمال بن عبداللہ بن عمر مکی اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں:

سئلت ممن یقول فی حال الشد ائد یا رسول اللہ اویا علی او یا شیخ عبد القادر مثلاً ھل ھو جائز شرعًا ام لا؟ اجبت نعم الاستغاثة بالاولیاء ونداؤھم والتوسل بھم امرٌ مشروع وشیء مرغوب لَایُنْکِرُهٗ الا مُکابِرٌ اَوْ مُعَانِدٌ وَقَدْ حَرُمَ بَرَکَةَ الْاَوْلِیَاءِ الْکِرَامِ الخ۔[۱۱]

یعنی مجھ سے سوال ہوا اس شخص کے بارے میں جو مصیبت کے وقت میں کہتا ہو یا رسول اللہ یا یا علی یا یاشیخ عبد القادر، مثلاً، آیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ میں نے جواب دیا: ہاں اولیا سے مدد مانگنی اور انھیں پکارنا اور ان کے ساتھ توسّل کرنا شرع میں جائز اور پسندیدہ چیز ہے جس کا انکار نہ کرے گا مگر ہٹ دھرم یا صاحبِ عناد، اور بیشک وہ اولیائے کرام کی برکت سے محروم ہے۔

﴿حوالہ جات﴾

[سہ] ولفظ البخاری فی الادب المفرد خدرت رجل ابن عمر فقال لہ رجل اذکر احب الناس الیک فقال یا محمداہ ۱۲ منہ (الادب المفرد حدیث ۹۶۴ مکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ص ۲۵۰)۔

[۳] الترغیب والترھیب بحوالۃ الطبرانی الترغیب فی صلوٰۃ الحاجۃ حدیث المصطفٰی الباب مصر ۱/۴۷۴۔۴۷۶۔

مجمع الزوائد باب صلوٰۃ الحاجۃ، دار الکتاب بیروت ۲/۲۷۹۔

[۴] عمل الیوم واللیلۃ حدیث ۱۶۸، دائرۃ المعارف النعمانیہ ص ۴۷۔

[۵] الاذکار باب مایقولہ اذا خدرت رجلہ دار الکتاب العربی بیروت ص ۲۷۱۔

[۶] نسیم الریاض شرح الشفاء فصل فیما روی عن السلف، مرکزِ اہلِ سنت برکاتِ رضا، گجرات، الہند ۳/۳۵۵۔

[۷] الکامل فی التاریخ لابن الاثیر ذکر القحط و عام الرمادہ دار صادر بیروت ۲/۵۵۶۔

[۸] میزان الاعتدال فی نقد الرجال ترجمہ ۴۹۰۷، دار المعرفۃ للطباعۃ ۲/۵۷۴۔

[۹] فتاوی الرملی فی فروع الفقہ الشافعی، مسائل شتی، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۴/۷۳۳۔

[۱۰] فتاوٰی خیریہ کتاب الکراہۃ والاستحسان، دار المعارفۃ للطباعۃ، بیروت ۲/۱۸۲۔

[۱۱] فتاوٰی جمال بن عبداللہ بن عمر مکی۔

﴿جاری ہے......﴾

×......×......×

شبِ براءت کی تیاری

۱۵/ شعبان المعظم کی رات مسلمانانِ عالم کے لیے خاص اہمیت اور تقدس کی حامل ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خلیفہ ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک خط میں اس مبارک شب کے بارے میں کچھ معمولات کا ذکر فرمایا تھا۔ ماہِ شعبان المعظم کی مناسبت سے اعلیٰ حضرت کا یہ خط معارفِ رضا کے قارئین کے لیے شاملِ اشاعت کیا جارہا ہے۔ ﴿ادارہ﴾

از بریلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۱/ شعبان المعظم ۱۳۳۴ھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

شبِ براءت قریب ہے۔ اس رات تمام بندوں کے اعمال حضرتِ عزت میں پیش ہوتے ہیں۔ مولا عزوجل بہ طفیلِ حضورِ پُرنور شافعِ یوم النشور علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام مسلمانوں کے ذنوب معاف فرماتا ہے۔ مگر چند اُن میں وہ دو مسلمان جو باہم دنیوی وجہ سے رنجش رکھتے ہیں۔ فرماتا ہے، اُن کو رہنے دو جب تک آپس میں صلح نہ کرلیں۔

لہٰذا اہلِ سنّت کو چاہیے کہ حتی الوسع قبلِ غروب آفتاب ۱۴/ شعبان باہم ایک دوسرے سے صفائی کرلیں، ایک دوسرے کے حقوق ادا کردیں یا معاف کرالیں کہ باذنہٖ تعالیٰ حقوق العباد سے صحائفِ اعمال خالی ہوکر بارگاہِ عزت میں پیش ہوں۔ حقوقِ مولیٰ تعالیٰ کے لیے توبۂ صادقہ کافی ہے۔ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ۔ ایسی حالت میں باذنہٖ تعالیٰ ضرور اس شب میں امیدِ مغفرتِ تامہ ہے۔ بہ شرطِ صحتِ عقیدہ وھو الغفور الرّحیم۔

یہ سب مصالحت اخوان و معافیِ حقوق بحمدہٖ تعالیٰ یہاں سال ہائے دراز سے جاری ہے۔ امید کہ آپ بھی وہاں مسلمانوں میں اس کا اجرا کرکے من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا الی یوم القیامۃ لاینقص من اجورھم شیئا کے مصداق ہوں یعنی جو اسلام میں اچھی راہ نکالے، اِس کے لیے اُس کا ثواب ہے اور قیامت تک جو اُس پر عمل کریں، اُن سب کا ثواب ہمیشہ اِس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے بغیر اس کے کہ اُن کے ثوابوں میں کچھ کمی آئے۔

اور اِس فقیرِ ناکارہ کے لیے عفو و عافیتِ دارَین کی دعا فرمائیں۔ فقیر آپ کے لیے دعا کرے گا اور کرتا ہے۔ سب مسلمانوں کو سمجھا دیا جائے کہ وہاں نہ خالی زبان دیکھی جاتی ہے نہ نفاق پسند ہے۔ صلح و معافی سب سچے دل سے ہو۔

والسلام

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

﴿کلیاتِ مکاتیبِ رضا، مرتبہ: ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی، مکتبۂ بحر العلوم، مکتبۂ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور، ص: ۳۵۶﴾

اعلیٰ حضرت بہ حیثیت مسلم رہ نما

حضرت علامہ مولانا محمد حسن حقانی رحمۃ اللہ علیہ

وَ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ (صدق اللہ العظیم)

قارئینِ کرام! قرآنِ کریم کی جو آیت پیش کی گئی، اس میں ربّ العالمین فرماتا ہے: "ہم درجات بلند کرتے ہیں جس کے درجات بلند کرنا چاہتے ہیں۔" بقول شاعر

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آیتِ کریمہ کے ترجمے اور شعر کے بعد اب میں اپنے اصل مقصد کی طرف آتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رضی اللہ عنہ اُن گنے چُنے اور منفرد اہلِ علم و اہلِ شریعت و طریقت میں سے ہیں جن کے درجات کی بلندی علم و عمل، دونوں میں، اعداد و شمار کے ذریعے پیش نہیں کی جاسکتی اور یہ ممکن بھی کیسے ہو کہ جن کے محبوبِ مکرّم، تاجدارِ دوعالم، مجسّم فداہ امّی وابی صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات و کمالات و فضائل کی انتہا نہیں اور جن کے امامِ طریقت غوث الورا کے علم کی تھاہ نہیں ہے، اُن پر مرمٹنے والا، اُن کی اداؤں کا اَسیر، اُن کے علمِ لاثانی کا فقیر امامِ اہلِ سنّت علم میں، فضل میں، کمالات میں اپنے اسلاف کا بہترین نمونہ ہیں۔ مجھے کہنے دیجیے کہ جس طرح سارے فقہا امامِ اعظم کے سامنے فقہ میں بچے نظر آتے ہیں، ایسے ہی امامِ اہلِ سنّت کے ہم عصر علما علم و فقاہت میں طفلِ مکتب دِکھائی دیتے ہیں۔ اُن کے علم کی گہرائی کا ایک ہلکا سا خاکہ یہ ہے کہ مجموعی طور پر ۶۰ سے ۶۵ علوم پر نہ صرف رسائی تھی بلکہ کامل دسترس حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایّامِ طفولیت سے لے کر زندگی کی ۱۴ سیڑھیاں چڑھنے تک اپنے علم کا اعلان بہ صورتِ فتویٰ کردیا۔

۱۸۵۶ء کی پیدائش، اس میں ۱۴ برس کا اضافہ، ۱۸۷۰ء میں مارہرہ کے سادات کی نگاہوں میں جچ جانے والے عالم بن چکے تھے اور دیوبند کے مدرسے کی بنیاد ۱۸۸۱ء میں رکھی گئی ہے۔ جب اکابرِ دیوبند طالبِ علم تھے تو اس وقت اعلیٰ حضرت اُستاد تھے۔ یہ اُن کے علم ہی کا ثبوت ہے کہ انہوں نے تن تنہا اُس وقت کی تمام باطل قوتوں کا نہ صرف مقابلہ کیا بلکہ منہ توڑ جواب دیا۔ کیا قاسم نانوتوی، کیا رشید احمد گنگوہی، کیا خلیل احمد، کیا اشرف علی، کیا محمود الحسن، کیا مرتضیٰ حسن، سب کو شرمندہ اور معاشرے میں ننگا کیا تو دوسری طرف انگریزوں کی مخالفت اور ہندوؤں سے گٹھ جوڑ کرنے والوں کی خفیہ سازش کو بے نقاب کیا۔ تحریکِ خلافت جس کے سیاسی سربراہ گاندھی تھے، اُس تحریک کی جڑیں اُکھاڑ کر رکھ دیں تو تحریکِ ترکِ موالات کے ذریعے جو سازش کی جارہی تھی، اُس کے بھی پرخچے امامِ اہلِ سنّت نے اُڑادیے۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب اس بات کو بیان کیا

بدھو میاں بھی حضرتِ گاندھی کے ساتھ ہیں
گو مشتِ خاک ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں

عام طور پر جو علوم مدارسِ دینیہ میں پڑھائے جاتے ہیں، وہ ۱۰ سے ۱۲ ہوں گے لیکن امامِ اہلِ سنّت کے لیے یہ تمام علوم پرائمری کلاسز کا درجہ رکھتے تھے۔ ریاضیات، علمِ جفر، تقویم، ہندسہ، اقلیدس اور سائنس وغیرہ، یہ وہ علوم ہیں

کہ جن کے جاننے والے چند اور ماہر برائے نام ہوئے ہیں۔

علم کا اعلیٰ مقام ایک واقعے سے پتا چلتا ہے جب دوسری بار سفر حجاز پر مکۂ معظمہ میں قائم شدہ ایک لائبریری میں گئے تو وہاں ایک عالمِ دین کتابوں سے عبارات نقل کر رہے تھے اور دوات ایک کتاب پر رکھی ہوئی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے اس دوات کو اُٹھا کر میز پر رکھ دیا۔ اُن صاحب نے میز سے اُٹھا کر پھر کتاب پر رکھ دی۔ اعلیٰ حضرت نے اس دوات کو میز پر رکھ دیا۔ اُن صاحب نے میز سے اُٹھا کر پھر کتاب پر رکھ دی۔ اعلیٰ حضرت نے پھر کتاب سے اُٹھا کر میز پر رکھ دی۔ یہ خاموش مناظرہ چلتا رہا یہاں تک کہ اُن صاحب نے ماتھے پر شکن ڈال کر اس کی وجہ پوچھی تو اعلیٰ حضرت نے اس لائبریری سے ایک کتاب نکالی۔ اس کا صفحہ کھولا اور عبارت سامنے رکھ دی جس کے مطابق روشنائی یقیناً حروفِ قرآنی، حروفِ حدیث اور حروفِ فقہ سب کے لیے کام آتی ہے لیکن جب تک قلم کے ذریعے کاغذ پر نہ آئے اُس وقت تک وہ روشنائی ہی رہتی ہے، اس کو بہ نفسِ نفیس کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ لیکن جو روشنائی کتاب پر منتقل ہو جائے اگرچہ وہ اُسی دوات سے ہو، وہ مکرّم و معظّم ہو جاتی ہے۔ اس لیے کتاب پر دوات نہیں رکھی جاسکتی۔ یہ عبارت دِکھا کر اعلیٰ حضرت نے ایک جملہ ارشاد فرمایا کہ یہ مسئلہ پچھلے سفر میں، میں نے اِس کتاب میں پڑھا تھا۔

یہ ہے علمی مقام اور باریک بینی اور یہ ہے روشنائی کے مقابلے میں حروف کی عزت و حرمت۔ جس کے نزدیک حرمت کا یہ انداز اور عزّت کا یہ طرز ہو، وہ نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں ادنیٰ سی بد تہذیبی کیسے برداشت کر سکتا ہے۔

یہ کیفیت تعلیم و تکریم کی اپنے اسلاف، اکابر، مشائخ، حتیٰ کہ سادات کے لیے بھی بہت زیادہ تھی۔

اعلیٰ حضرت کے اس طرۂ امتیاز نے در حقیقت دو قومی نظریے کا آغاز کیا جو بعد میں تحریکِ پاکستان کے لیے جوہر نایاب ثابت ہوا اور آپ کی منفرد راہ نمائی کے صدقے میں تحریکِ پاکستان کے ہراول دستے میں خلفاے اعلیٰ حضرت اور علماے اہلِ سنّت پیش پیش نظر آتے ہیں۔ کیا صدرالافاضل، کیا صدرالشریعہ، کیا محدّثِ اعظم کچھوچھوی، کیا مفتی احمد یار خاں اشرفی، کیا مفتیِ اعظم ہند، کیا ان کے خلفا و مریدین، سب ہی نے یکجا ہو کر ۱۹۴۶ء میں بنارس کی سُنّی کانفرنس میں اپنے اجماعی اقدام کا اعلان کر دیا کہ ہندو ایک علیحدہ قوم ہے، مسلم ایک علیحدہ قوم۔ اور تحریکِ پاکستان کے لیے اور اُس کی کامیابی کے لیے یہ اور ایسی دوسری کانفرنسیں سنگِ میل ثابت ہوئیں جن کو علامہ اقبال نے سراہا تھا، قائدِ اعظم نے سجایا تھا، علماے اہلِ سنّت نے آراستہ کیا تھا، وہ پاکستان کی شکل میں تاج زرّیں کی طرح پاکستان کی پیشانی پر اپنی آب و تاب کے ساتھ جلوہ افروز ہے۔ ان ہی اساطینِ ملّت کی بدولت پاکستان میں لادینی قوتیں، سیکولر جماعتیں، فاسد معتقدات کے حامل اپنی تمام تر مذموم سازشوں کے باوجود اسلامیانِ پاکستان اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مقابلہ میں شکست سے دوچار ہوتی رہی ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ان مقاصد کو بر قرار رکھنے کے لیے ملک کے وسیع تر مفاد میں جہاں ضرورت ہو، متحدہ قوت کے ساتھ لادینی عناصر اور اسلام دشمن قوتوں کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں کہ اعلیٰ ترین مقاصد کے لیے کبھی کڑوی گولی بھی نگلنا پڑتی ہے۔

﴿بہ حوالہ: سال نامہ ''معارفِ رضا'' ۲۰۰۲ء﴾

رو برو

محقق رضویات پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری سے گفتگو

غلام مصطفیٰ رضوی☆

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی کے سیکریٹری جنرل ہیں اور ماہ نامہ/ سال نامہ معارف رضا کراچی کے مدیر ہیں۔ درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور تحقیقی کاموں سے شغف رکھتے ہیں۔ فی الوقت کراچی یونی ورسٹی میں شعبۂ پیٹرولیم ٹیکنالوجی کے چیئرمین ہیں اور سائنس آرٹس اور اسلامی علوم کی فیکلٹی کے ممبر ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (م ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء) کی زیرِ نگرانی ''کنزالایمان اور دیگر معروف اردو قرآنی تراجم'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی۔ایچ۔ڈی کی سند حاصل کی۔ مقالۂ ڈاکٹریٹ کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔ علمی کاموں کی بنیاد پر متعدد گولڈ میڈل سے سرفراز ہو چکے ہیں۔ رضویات پر پہلا مقالہ ۱۹۸۷ء میں لکھا اور تا حال علمی موضوعات پر خامہ فرسائی کر کے رضویات کے گلستاں میں خوش بو بکھیر رہے ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا میں شمولیت اختیار کی نیز ادارے کی ۲۵ رسالہ تاریخ بھی مرتب کی جو مطبوع ہے۔ اچھوتے اور البیلے موضوعات منتخب کرتے ہیں اور تحریر میں استدلال کا رنگ غالب ہے۔ پروفیسر موصوف سے بہ وساطتِ حضرت سید وجاہت رسول قادری صدر نشین ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرویو کی درخواست کی گئی جسے آپ نے شرفِ قبولیت عطا کیا اور یہ انٹرویو ہم قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ ادارہ موصوف کا اور حضرت سید وجاہت رسول قادری مدظلہ العالی کا ممنون ہے۔ انٹرویو سے متعلق امین ملت حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں مارہروی نے راقم سے اظہار فرح و مسرت فرمایا ہے۔ (مرتب) ﴿یہ انٹرویو سالنامہ ''یادگارِ رضا'' انڈیا، شمارہ ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا تھا۔ معارفِ رضا کے قارئین کے افادے کے لیے اسے سالنامہ یادگارِ رضا کے شکریہ کے ساتھ معارفِ رضا میں بھی شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)﴾

سوال (۱): اپنے احوال و کوائف مختصراً بیان فرمائیں۔

جواب:

نام: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری ابن شیخ حمید اللہ قادری رضوی حشمتی (م ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۸۹ء)

پیدائش: ۳ر اپریل ۱۹۵۵ء، ملیر گوٹھ، کراچی

تعلیم:

B.Sc.(Hons.) & M.Sc. in Geology, 1975 & 1976 with 1st class 1st position
M.A Islamic Studies in 1986, 1st class 3rd position
Ph.D. Islamic Studies in 1993, Supervisor, Prof. Dr. Muhammad Masood Ahmad

ملازمت: جامعہ کراچی میں شعبۂ ارضیات میں ۱۹۷۸ء تا ۲۰۰۴ء خدمات، ۲۰۰۴ء تا حال استاد و چیئرمین شعبۂ پیٹرولیم ٹیکنالوجی

موجودہ حیثیت: پروفیسر و چیئرمین۔ BPS-21

اعزازی خدمت: بہ حیثیت سیکریٹری جنرل ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا ۱۹۸۵ء تا حال۔ مدیر، ماہ نامہ ''معارفِ رضا'' کراچی

قلمی خدمات: ۲۵ رسال سے معارفِ رضا کا ایڈیٹر، سال نامہ مجلّہ معارفِ رضا

۸ رسال سے ماہ نامہ ''معارفِ رضا'' کی ادارت

مقالات برائے مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس: ۱۲ رعدد

مقالات برائے ماہ نامہ معارفِ رضا: ۲۲ رعدد

مقالات برائے سال نامہ معارفِ رضا: ۱۸/عدد
دیگر تصنیفات و تالیفات: ۲۵/عدد
دیگر موضوعات پر مقالات: ۱۰/عدد
مقدمات و پیش لفظ و تقاریظ: ۱۵

اساتذۂ کرام: حضرت مفتی تقدس علی خاں (م ۱۹۸۸ء)، حضرت علامہ شمس الحسن شمسؔ بریلوی (م ۱۹۹۷ء)، مفتی محمد ظفر علی نعمانی، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقش بندی (م ۲۰۰۸ء)، مولانا صاحب زادہ علم الدین قادری علمیؔ (م ۱۹۸۶ء)، مولانا غلام رسول کشمیری قادری نوری (۱۹۹۴ء)، حضرت مولانا مفتی نصر اللہ خاں افغانی، صاحب زادہ سید وجاہت رسول قادری

بیعت کا شرف: خط کے ذریعے ۱۹۶۱ء میں احقر کو مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے بیعت کیا۔ آپ کے دستخط کے ساتھ شجرہ احقر کے پاس محفوظ ہے۔

سند اجازت: مفتی محمد ظفر علی نعمانی، مولانا محمد شفیع قادری (م ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۵ء)، مولانا فیض احمد اویسی، الشیخ یوسف ہاشم الرفاعی، سید وجاہت رسول قادری

سلسلۂ رضویہ کا فروغ: ۱۹۹۴ء سے سلسلۂ قادریہ رضویہ حامدیہ تقدسیہ میں بیعت لینے کا آغاز کیا۔ ہر ماہ کی دوسری اتوار کو احقر کے گھر پر حلقۂ ذکر اللہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

سوال (۲): ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' کی عالمی سطح پر مقبولیت کے اسباب و علل کیا ہیں؟

جواب: عالمی سطح پر مقبولیت کی اول وجہ یہ ہے کہ عوامِ اہلِ سنت کی تعداد دیگر فرقوں کے مقابلے میں اس وقت بھی بہت زیادہ ہے اس لیے ''کنز الایمان'' مارکیٹ میں زیادہ فروخت ہوتا ہے۔ البتہ اس کے فروغ میں یا اس کی اشاعت میں کسی تنظیم یا ادارے کا کوئی خاص کردار نہیں۔ ہم سوادِ اعظم ضرور ہیں لیکن دیگر مکاتبِ فکر تیزی کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ کنز الایمان کی اگلے ۲۰۔۲۵ سال میں اگر مقبولیت برقرار رکھنا ہے تو اہلِ سنت کے اداروں اور تنظیموں کو فعال کردار ادا کرنا ہوگا۔ اب اہلِ سنت کے اردو تراجم خاصی تیزی کے ساتھ سامنے آرہے ہیں۔ یہ عمل کنز الایمان کی مقبولیت پر منفی اثر ڈالے گا۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اہلِ سنت و جماعت صرف کنز الایمان کے ترجمے اور ترجمانی پر متفق رہے تاکہ ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' لوگوں کی صحیح رہ نمائی کرتا رہے۔ کنز الایمان کی مزید مقبولیت کے لیے ضروری ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں اس ترجمے کو سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے اہل کاروں کو تحفتاً پہنچایا جائے۔

سوال (۳): اشاعت حق و فروغ اہل سنت کے سلسلے میں کنز الایمان کے عالم گیر اثرات پر آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: بلاشک و شبہہ ''کنز الایمان'' ایمان کا خزانہ ہے۔ آج دلیل کے لیے ہر کوئی قرآن کے حوالے سے گفتگو کرتا ہے۔ اردو داں طبقہ جو عربی نہیں جانتا اس کے لیے کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن ایک عظیم ماخذ ہے اور رہ نما بھی ہے۔ اہلِ سنت و جماعت کے عقائد کی سو فی صد کنز الایمان نمائندگی کرتا ہے اس لیے فروغِ اہلِ سنت ممکن ہی نہیں جب تک اس کی دلیل قرآن سے نہ دی جائے، اور ترجمے کے لیے کنز الایمان کا سہارا بھی ضروری ہے۔ اگرچہ اہلِ سنت و جماعت کے علما کے کئی تراجم سامنے آچکے ہیں لیکن جتنی وضاحت کے ساتھ عقائدِ اہلِ سنت کی ترجمانی اور نمائندگی کنز الایمان سے ہوتی ہے اور کسی ترجمۂ قرآن سے نہیں۔ احقر کی استدعا یہ ہے کہ علمائے اہل سنت کنز الایمان کی موجودگی میں اپنی علمی صلاحیتیں ترجمۂ قرآن کے بجائے دورِ حاضر کے معاشرتی، معاشی، اقتصادی، طبی مسائل کو حل کرنے میں صرف کریں اور کنز الایمان سے رہ نمائی حاصل کریں اور تشریحات کے لیے ''فتاویٰ رضویہ'' سے مدد لیں۔

سوال (۴): آپ نے یونی ورسٹی سطح پر .Ph.D کے لیے کنز الایمان کو موضوعِ تحقیق بنایا اس کے محرکات کیا تھے؟

جواب: ۱۹۸۲ء میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا سے وابستگی ہوئی پھر اچانک چاروں طرف سے آوازیں سنائی دیں کہ کنز الایمان پر پابندی نامنظور نامنظور۔ اسی دوران چند بڑی بڑی کانفرنسوں میں جانے کا اتفاق ہوا جن میں کثیر تعداد میں علما کے علاوہ عوام اہلِ سنت شریک ہوئے۔ لمبی لمبی شعلہ بیانی والی تقاریر سنیں، اخبارات میں خبریں شائع ہوئیں، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کی سالانہ ۱۹۸۲ء اور ۱۹۸۴ء کی کانفرنسوں میں کنز الایمان کے حوالے سے مقالے پڑھے گئے مگر احقر کو کوئی ٹھوس کام ان دو سالوں میں نظر نہ آیا۔ اچانک دل میں خیال آیا کہ مجید اللہ، جیولوجی میں تو تم Ph.D. نہ کر سکے، چلو اسلامیات میں Ph.D. کرلو اور کنز الایمان پر مقالہ لکھو۔ اس خیال کا اظہار احقر نے حضرت شمس بریلوی، حضرت ڈاکٹر محمد مسعود احمد، تاج الشریعہ حضرت مفتی اختر رضا خاں، سید ریاست علی قادری اور کئی اکابر سے کیا۔ سب نے حمایت کی اور دعا دی۔ مگر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے کہا کہ پہلے آپ ایم۔اے اسلامیات کریں پھر یہ کام کرسکیں گے۔ احقر نے فوراً ایم۔اے اسلامیات میں پرائیوٹ رجسٹریشن کرایا۔ دو سال تک کنز الایمان اور دیگر کتب پڑھنے کا خوب موقع ملا۔ ۱۹۸۶ء میں احقر نے جامعہ کراچی سے فرسٹ کلاس تھرڈ پوزیشن میں ایم۔اے اسلامیات کی سند حاصل کی اور فوراً ہی شعبۂ اسلامیات پہنچ کر اپنے آپ کو پی۔ایچ۔ڈی کے لیے انرول کروایا۔ احقر کو اس وقت جوش تھا، ہوش نہ تھا۔ مجھے داخلہ صرف ایم۔فِل بس دیا گیا۔ بہت پریشانی ہوئی کہ احقر تو Ph.D. کرنا چاہتا ہے، یہ مجھے صرف ایم۔فِل کی ڈگری دے رہے ہیں۔ آپ یقین کریں کہ ایک میٹنگ اس سلسلے میں یونی ورسٹی کے بورڈ کی ہوئی اور اسی میں یہ طے پایا گیا کہ غلطی سے ایم۔فِل لکھ دیا گیا تھا، مجید اللہ قادری کو داخلہ Ph.D. میں دیا گیا ہے۔ الحمد للہ ۱۹۹۳ء میں احقر کو Ph.D. کی سند حاصل ہوئی۔

تھیسس کو عموماً پاکستان کے باہر ایکسپرٹ کو بھیجا جاتا ہے۔ لہٰذا تھیسس کی ایک کاپی امریکا بھیجی گئی، دوسری ساؤتھ افریقا مگر ساؤتھ افریقا والے ایکسپرٹ نے منع کردیا۔ پھر یہ تھیسس حیدر آباد سندھ کی ایک معروف علمی شخصیت کو بھیجا گیا۔ دونوں غیر تھے، دونوں نے کچھ ترمیم کرنے کے لیے ضرور سفارش کی مگر Ph.D. دینے کے لیے بھرپور زور بھی دیا۔ زبانی امتحان بھی اغیار میں سے ایک ایکسپرٹ نے لیا۔ الحمد للہ ۱۹۹۳ء کو PhD کی سند حاصل ہوئی مگر مقالہ ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔

سوال (۵): کنز الایمان کے کن کن گوشوں پر یونی ورسٹی سطح پہ کام کیا جاسکتا ہے۔ نیز کیا امکانات ہیں؟

جواب: احقر نے کنز الایمان کا دیگر اردو تراجم کے ساتھ اجمالی تقابل کیا ہے۔ اس کے دیگر پہلوؤں پر مزید کام کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً

۱۔ کنز الایمان کا ہر معروف اردو ترجمے کے ساتھ علاحدہ علاحدہ تفصیلی تقابل کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ فنِ ترجمہ کے حوالے سے کام کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ اردو یا دینی ادب کے حوالے سے کام کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ صرف سائنسی موضوعات پر مشتمل آیات کا بھی تقابل کیا جاسکتا ہے اور احقر یہ دعوے سے کہہ سکتا ہے کہ کوئی بھی اردو مترجم سائنس داں نہیں تھا سوائے امام احمد رضا کے، اس لیے ان آیات کی روشنی میں تقابل ضروری ہے تاکہ قرآن سے سائنسی قوانین حاصل کیے جاسکیں۔

۵۔ صرف ونحو کے حوالے سے بھی اردو تراجم کا تقابل کیا جاسکتا ہے۔

سوال (۶): ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا نے اب تک فروغ کنز الایمان کے لیے کس طرح کے اقدامات کیے اور مستقبل کے لیے کیا پلان تشکیل دیا؟

جواب: ادارے کا سب سے بڑا کام یہی ہے کہ کنز الایمان پر جب پابندی لگائی گئی تھی، اس ترجمۂ قرآن پر لکھے گئے مقالات کو شائع کیا اور جہاں تک ممکن ہوا، اہلِ علم وقلم تک پہنچایا۔ اس کے علاوہ درجنوں مقالات کنز الایمان کے حوالے سے لکھوائے جو سالنامہ معارفِ رضا اور ماہنامہ

معارفِ رضا کی زینت بنے۔ احقر کے Ph.D. تھیسس کے علاوہ بھی کنزالایمان کے حوالے سے مندرجہ ذیل مقالات شائع ہو چکے ہیں:

۱...... قرآن، سائنس اور امام احمد رضا

۲...... قرآنِ کریم، امام احمد رضا اور سائنسی مصطلحات

۳...... علومِ قرآن اور ملتِ اسلامیہ

۴...... کنزالایمان کی امتیازی خصوصیات

۵...... اردو تراجمِ قرآن کا تقابلی مطالعہ

۶...... سائنس، ایمانیات اور امام احمد رضا

سوال (۷): کنزالایمان کی تصحیح کتابت سے متعلق علامہ محمد عبدالمبین نعمانی (المجمع الاسلامی مبارک پور) اور اشاعتِ کنزالایمان سے متعلق رضا اکیڈمی، ممبئی، کی خدمات پر اپنے تاثرات بیان فرمائیں۔

جواب: کنزالایمان کو آج ۱۰۰ رسال مکمل ہو گئے ہر زبان وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ اردو زبان تو ویسے ہی مجموعۂ زبان ہے اس کے اندر بھی بہت تبدیلیاں آئیں بالخصوص پاکستان میں اردو زبان کے اندر انگریزی زبان کے الفاظ اب کثرت سے استعمال ہو رہے ہیں جس کے باعث اردو داں عوامی طبقہ پچھلے سو سال کی اردو زبان کو بہت سخت زبان سمجھتا ہے اور اس کو جب کنزالایمان یا کوئی کتاب ۵۰ رسال پہلے کی دی جائے تو قاری کو سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے یہ ہی صورتِ حال اردو ترجمۂ کنزالایمان کے ساتھ بھی ہے کہ آج کا اردو داں طبقہ آسان اور آج کے دور کی مصطلحات میں ترجمۂ قرآن پڑھنا چاہتا ہے اس لیے علامہ محمد عبدالمبین نعمانی کی کاوشیں قابل ستائش ہیں کہ انھوں نے کنزالایمان کے وہ الفاظ جو اب روزمرہ مستعمل نہیں ہیں ان کی جگہ حاشیے میں آسان الفاظ لکھ دیے ہیں۔ یقیناً رضا اکیڈمی بھی قابل مبارک باد ہے کہ انھوں نے اس کی اشاعت کا بندوبست کیا اسی جگہ میری ایک اور گزارش ہوگی کہ یہ ترجمۂ قرآن لاکھوں کی تعداد میں شائع کروائے جائیں اور تمام جامعات، کالجوں اور اسکولوں کے اساتذۂ کرام کو تحفتاً پیش کیے جائیں تمام ترقم اس ترجمے پر صرف کی جائے۔ پھر اس کے مثبت نتائج چند سالوں میں سامنے آئیں گے۔

سوال (۸): ترجمہ کنزالایمان میں جو علاقائی الفاظ استعمال ہوئے کیا انھیں کنزالایمان کے محاسن میں شمار کیا جائے گا؟

جواب: دنیا میں شاید کوئی زبان ایسی ہو جس میں دیگر زبانوں کی آمیزش نہ ہو یہ ہی صورت حال کنزالایمان کے ترجمے میں بھی ہے امام احمد رضا نے نہ صرف پورے برصغیر پاک و ہند میں بولے جانے والے محاورات اور الفاظ کا استعمال کنزالایمان میں کیا ہے بلکہ ساتھ ہی دیگر زبانوں بالخصوص ہندی، سنسکرت، عربی، فارسی، پشتو وغیرہ زبانوں کے الفاظ کا استعمال بھی کیا یہ خوبی اس بات کی بھی غمازی کرتی ہے کہ امام احمد رضا خطے کی تمام زبانوں سے واقفیت رکھتے تھے اور ان زبانوں پر خاصہ عبور رکھتے تھے اس لیے جہاں مناسب خیال کیا دیگر زبانوں کے الفاظ استعمال کر کے کنزالایمان میں حسن پیدا کیا۔

سوال (۹): کنزالایمان کے بعد متعدد علما نے قرآنِ مقدس کے اردو میں ترجمے کیے اس تناظر میں آپ کیا کہیں گے؟

جواب: کیا کسی چیز کی تاحیات پائیداری کے باوجود اس جیسی دوسری چیز بنانے کی ضرورت باقی رہتی ہے؟ میرے خیال میں پھر دوبارہ کسی چیز کو اس جیسی بنانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بعض قدرتی معاملات ایسے ہیں کہ قدرت اس شاہ کار کو صرف ایک دفعہ بناتی ہے۔ یا ایک دفعہ دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے۔ خلافتِ راشدہ جیسی سلطنت دوبارہ مشکل ہے اگرچہ لوگوں نے کوشش کی اور آج بھی کر رہے ہیں مگر خلافتِ راشدہ اول اور آخر ہجرت کے ۴۰ رسال کے بعد ختم، البتہ ان خلافتِ راشدہ کے ۴۰ رسالہ دور سے ہم آج بھی ہدایت کی روشنی حاصل کر سکتے ہیں لیکن اس جیسی خلافت قائم نہیں کر سکتے، احقر کے نزدیک کنزالایمان کی بھی صورتِ حال تقریباً یہی ہے کہ اس کو ان شاء اللہ تا قیامت ایسا ہی مقام حاصل رہے گا جو اسے آج اور سو سال قبل تھا اور مفسرین کرام اس ترجمے

سے رہ نمائی حاصل کرتے رہیں گے البتہ جو ترجمہ کرنے کی کوشش کریں گے یا جنھوں نے کوشش کی ہے وہ قطعاً کامیاب نہ ہو سکے۔ البتہ ترجمۂ قرآن کا فریضہ انجام دے کر انھوں نے اپنی عافیت کا ضرور ضرور بندوبست کرلیا اور اللہ تعالیٰ ان کی محنت کا ان کو بہترین اجر عطا فرمائے۔ مگر ایمان کا خزانہ صرف ایک جگہ ہی مل سکتا ہے لہٰذا تمام اہلِ سنت کے علما اور اہلِ قلم کو چاہیے کہ اسی خزانے سے دولت حاصل کریں اور اپنی توانائیاں دیگر علمی کام نیز تصانیف و تالیفات پر صرف کریں۔

سوال (۱۰): آپ کا مقالۂ ڈاکٹریٹ ''کنز الایمان اور معروف قرآنی تراجم'' ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی نے دیدہ زیب انداز میں ۱۹۹۹ء میں شائع کیا اس کے کیا اثرات سامنے آئے اور اس پر کس طرح کے تاثرات اہلِ علم نے دیے؟

جواب: اگر آپ حقیقت پوچھیں تو اہلِ قلم نے بہت زیادہ پذیرائی نہ فرمائی۔ ممکن ہے کہ اہلِ قلم کے پاس وقت نہ ہو کہ اس پر اپنے تاثرات قلم بند کرتے یا ممکن ہے کہ اس کو پڑھنے کے بعد اس میں کوئی خاص بات نظر نہ آئی ہو جس پر وہ کلام کر سکتے یا پھر یہ تھیسس ہی ہمارے اہلِ قلم کے نزدیک کسی پذیرائی کے لائق نہ ہو۔ البتہ چند اغیار کی طرف سے احقر کو ان کے تاثرات ملے جو ملے جلے تھے۔ ایک عجیب و غریب واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک اہلِ سنت کے ہی قلم کار تھے۔ انھوں نے ضد میں آ کر اردو تراجمِ قرآن کا تقابلی مطالعہ کے عنوان سے Ph.D. کی سند حاصل کی اور اس میں چند معروف تراجم کو شامل کیا جس میں انھوں نے کنز الایمان کو چوتھے نمبر پر جگہ دی جب کہ تقابل کے لیے صرف ۵/ تراجم استعمال کیے گئے تھے۔

سوال (۱۱): ڈاکٹر صابر سنبھلی نے ایک تفصیلی مقالہ ''کنز الایمان کا لسانی جائزہ'' تحریر فرمایا جس کی اشاعت بالاقساط سہ ماہی افکار رضا ممبئی میں ہوئی اس پر اظہارِ خیال فرمائیں؟

جواب: محترم صابر سنبھلی صاحب ماہرِ لسانیات ہیں اس لیے انھوں نے اپنے طویل مقالے میں کنز الایمان کی لسانیات کو بہت خوب نبھایا ہے اور صاحبِ فن حضرات کی نظر سے جب یہ گزرا ہوگا تو انھوں نے یقیناً اس کی لسانیات کو سراہا ہوگا۔

سوال (۱۲): قارئین یادگار رضا کے لیے صد سالہ جشنِ کنز الایمان پر آپ کا کیا پیغام ہے۔

جواب: احقر اپنے آپ کو اس قابل ہرگز نہیں سمجھتا کہ قوم کے نام کوئی پیغام دے البتہ احقر نوجوان طبقے کو یہ نصیحت کرنا چاہے گا کہ زندگی میں ایک دفعہ قرآنِ کریم کا ترجمہ ضرور ضرور پڑھیں اور وہ بھی صرف اور صرف کنز الایمان، اگر وہ اپنے ایمان کا تحفظ چاہتے ہیں۔ ان بچے، بچیوں سے پرزور اپیل کروں گا، جو اسکول، کالج اور جامعات میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں کہ وہ اس ترجمۂ قرآن کو ضرور پڑھیں اور غور سے پڑھیں۔ ان کو ہر ہر مضمون کے بنیادی اصولوں کی نشان دہی اس سے حاصل ہوگی۔ وہ چاہے سائنسی علوم ہوں یا معاشرتی علوم ہوں، وہ اعتقادی علوم ہوں یا طبی علوم ہوں۔ ان کو اللہ رب العزت کے اس کلام میں بنیادی اصولوں کی نشان دہی ضرور ملے گی اور طالبِ علم یاد رکھیں کہ آج کے انسان کی کوئی تھیوری بدل سکتی ہے مگر قرآن کے اصول نہیں بدل سکتے۔ اس لیے قرآن سے آگہی حاصل کریں اور کنز الایمان کی خوبی یہ ہے کہ دنیائے مترجمین میں صرف امام احمد رضا واحد مترجمِ قرآن ہیں جو بہ یک وقت عالمِ دین، ماہرِ علومِ طب، ماہرِ علومِ معاشیات، ماہر علوم سائنس، ماہرِ علومِ نجوم و فلک، سب ہی کچھ ہیں۔ جب کہ بعض مترجم صرف اور صرف ڈکشنری کی مدد سے کیے گئے ترجموں کے صانع ہیں۔ امام احمد رضا نے ترجمہ کرتے وقت ہر آیت میں پوشیدہ علم کو سمجھتے ہوئے مصطلحات استعمال کی ہیں جو ان کے ترجمے کی خوبی بھی ہے۔

احقر آخر میں غلام مصطفیٰ رضوی صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے کہ انھوں نے موقع فراہم کیا کہ اپنی آواز دوسروں تک پہنچا سکوں۔

❁❁❁❁❁

رفتید ولے نہ ازدلِ ما

حضرت شیخ محمد عارف قادری ضیائی مَدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مرید وخلیفہ حضرت شیخ ضیاء الدین احمد قادری مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

محمد عبدالقیوم طارق سلطانپوری

تاریخ وصال ۲۴، اپریل ۲۰۰۹ء

۲۷ ربیع الآخر ۱۴۳۰ھ

مدفن: جنّت البقیع، مدینۂ منورہ

"چراغِ محبتِ رسولِ جہاں"

۲ ۰ ۰ ۹ ء

ہوگئے اُس کے اسیرِ حلقۂ دامِ وَلا — عاشقانِ سَرورِ عالم، مُحِبّانِ نبی

نام تھا اُس کا ضیاء الدین احمدؒ مردِ حق — لی رضاؔ سے اُس نے بھی خوشبوئے فیضانِ نبی

بادۂ عشقِ نبی بانٹا کئی عشروں تلک — طیبہ میں تھا مرجعِ عشاقِ ذی شانِ نبی

اُس کے بابِ جود سے عارفؔ بھی تھا خیرات یاب — اُس نے اِس نسبت سے پایا لُطف و احسانِ نبی

راہ فردوسِ بریں کی آہ عارف نے بھی لی — اُس کی رحلت سے ہیں افسردہ غلامانِ نبی

نشرِ افکارِ رضا میں اُس کا ہے کردار خاص — مغفرت پائے حق واصفِ شانِ نبی

ہوگیا آسودہ جنّت میں بقیعِ پاک کی — دائمی آرام گاہِ جاں نثارانِ نبی

اُس کو فردوسِ بریں میں بخش دے اونچا مقام — ذاتِ حق، مہرِ رضا و بہرِ حَسّانِ نبی

تُربتِ عارف ہو اک کاشانۂ طیب و ضیا — اُس کو بخشش سے نوازے ربِّ رحمانِ نبی

میں نے تائیدِ سروشِ غیب سے تاریخِ فوت
کی رقم طارقؔ "ضیائے عِلم و عرفانِ نبی"

۰ ۳ ۴ ۱ ھ

رفتید و لے نہ از دلِ ما

شہیدِ اسلام، شہیدِ پاکستان حضرت علامہ مفتی ڈاکٹر سرفراز نعیمی نور اللہ مرقدہٗ

تاریخِ شہادت: ۱۲؍جون ۲۰۰۹ء

۱۸ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ

بعد از امامت نماز جمعۃ المبارک

مقامِ شہادت و مرقدِ مبارک: جامعہ نعیمیہ، لاہور۔

قطعاتِ تاریخ (سالِ شہادت)

''ابدی مجد، وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ''

۶۴ + ۱۹۴۵ = ۲۰۰۹ء

''یمن خلعتِ فوز و شہادت'' ۲۰۰۹ء

''جہانِ کمال و جرأت و جسارت'' ۱۴۳۰ھ

یہ کس کے نام کی ہے گونج ہر سو — سُنی کِس کی یہ آوازِ شہادت
نعیمیؒ کے مقدّر میں لکھا تھا — کمال و مفخر و نازِ شہادت
خُدا کے گھر کی پاکیزہ فضا میں — ہوا ہے وہ سر افرازِ شہادت
مِلا رتبہ نمازِ جمعہ کے بعد — یہ اُس کا طُرفہ اندازِ شہادت
کیا اُونچا جو اُس نے کلمۂ حق — وہی تھا اُس کا آغازِ شہادت
دفاعِ دین و تحفیظِ وطن میں — یگانہ، ہے وہ ممتازِ شہادت
صِلہ اِس کا حیاتِ جاوداں ہے — وہ ظاہر کر گیا رازِ شہادت

کہی تاریخ، ہوکر ''آبدیدہ''
۲۶

''مُقدّس تاجِ اعزازِ شہادت''

۲۶ + ۱۴۰۴ = ۱۴۳۰ھ

عزیز اُس حق پرست اِنسان کو تھی — رسُول پاک کی تعظیم و حُرمت

تھا جس کا مُدّعا توقیرِ اسلام — ہر اُس تحریک میں تھی اُس کی شرکت

نہ قید و بند سے وہ ڈگمگایا — مُجاہد تھا وہ کوہِ استقامت

بدی کی طاقتیں خائف تھیں اُس سے — تھی اعدائے وطن پر اُس کی ہیبت

رکاوٹ بن گیا وہ اُس کے آگے — جو ہے اِس وقت سَیلِ ظُلم و دہشت

نظر حالات پر تھی اُس کی گہری — وہ تھا دانائے اسرارِ سیاست

کیے اُس نے اکٹھے عمدگی سے — جنودِ حق، محبانِ ریاست

کِیا اعلان اُس مردِ جری نے — کہ ہم روکیں گے یہ طوفانِ وحشت

کریں گے ہم کِسی صورت نہ برداشت — تمہیں اے دُشمنانِ دین و ملت

وہ سچا قول کا تھا، جانبِ خلد — گیا سر پر رکھے تاجِ شہادت

عُلوئے حق کی خاطر جان دینا — ہماری ہے یہ دیرینہ روایت

برائے حفظ حق دی جان اُس نے — الٰہی ہو قبول اُس کی یہ خدمت

سپاہی تھا وہ دینِ مصطفیٰ کا — نواز اُس کو طفیلِ جانِ رحمت

کہی تاریخ، از "آوازطیبہ" — "شجیع عالم، شہیدِ اہلِ سنت"

۴۱ — ۴۱ + ۱۳۸۹ = ۱۴۳۰ھ

ہے از روئے "دلاور" اور تاریخ — کہی طارق نے، "فخرِ اہلِ سنت"

۴ — ۴ + ۱۴۲۶ = ۱۴۳۰ھ

ہوئی اِک اور بھی تاریخ موزُوں — کہا دوبارہ جب "بابِ شہادت"

۷۱۵ + ۷۱۵ = ۱۴۳۰ھ

بہ سالِ عیسوی، تاریخ گُفتم

"وداد حفظ و استحکامِ مِلّت"

۲۰۰۹ء

قطعۂ تاریخِ قیامِ پاکستان

تاریخِ قیامِ پاکستان

۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء

''آوازِ غلبۂ اربابِ حق''

۱۳۶۶ھ

O

زمیں کا ایک دیدہ زیب ٹکڑا — جو ہے لاریب حسنِ بزمِ دوراں
ہمیں بخشا خدائے مہرباں نے — بہ حقِ مصطفیٰ محبوبِ یزداں
ہوئی دیرینہ ختم اپنی غلامی — ہوئی مشکور سعیٔ اہلِ ایماں
نوازا حق نے آزادی سے ہم کو — ہوئی شب جبر و ظلمت کی گریزاں
ملی جس میں ہمیں یہ خاص نعمت — وہ تھا ماہِ مبارک ماہِ رمضاں
ہماری مخلصی کی رات وہ تھی — ہوئی جس رات میں تنزیلِ قرآں
خصوصی رکھتا ہے قرآن سے ربط — یہ انعامِ خدائے جن و انساں
دل و جاں سے کریں ہم قدر اس کی — رکھیں اس کے تخصص کو نمایاں
چلائیں اس کو ہم اُس راستے پر — جو ہے مقصودِ تعلیماتِ قرآں

قیامِ مُلکِ اہلِ حق کی تاریخ
کہی طارق نے ''شانِ شہرِ رمضاں''

۱۹۴۷ء

محمد عبدالقیوم طارق سلطانپوری
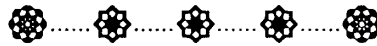
ڈاکٹر مفتی محمد سرفراز نعیمی شہید کر دیے گئے

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

(مدیر اعلیٰ، ماہنامہ "جہانِ رضا" لاہور)

چوں بگذرد نعیمی خونی کفن بہ حشر
خلقے فغاں کنند کہ این داد خواہ کیست؟

میدانِ حشر میں جب علامہ محمد سرفراز نعیمی رحمۃ اللہ علیہ خونی کفن پہنے آئیں گے تو ساری مخلوق پکار اٹھے گی کہ انہیں کس گناہ پر شہید کیا گیا ہے؟ اے اللہ! یہ کس سے انصاف مانگتا ہے؟

ڈاکٹر مفتی محمد سرفراز نعیمی نمازِ جمعہ ادا کرنے کے بعد اپنے دفتر میں آئے تو ایک دہشت گرد نے زبردست دھماکہ کر کے شہید کر دیا آپ کی شہادت کی خبر چند لمحوں میں سارے پاکستان میں پھیل گئی، چند لمحوں بعد آپ کی شہادت پر دنیا دنگ رہ گئی، ملتِ اسلامیہ اپنے سارے کاروبار چھوڑ کر غم میں ڈوب گئی۔

ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی رحمۃ اللہ علیہ ایک مقتدر عالم دیں اور دارالعلوم نعیمیہ لاہور کے ناظم اعلیٰ تھے۔ مفتی دینِ متیں تھے۔ سربراہ اہل سنت اور ایک نڈر دینی رہ نما تھے۔ آپ نے ساری زندگی درس و تدریس میں گزاری اور ہزاروں دینی طلبا کو علوم دینیہ سے سرفراز کیا۔ تدریسی امور کے ساتھ ساتھ آپ نے امتِ مسلمہ کی رہ نمائی کے لیے دن رات ایک کر دیا تھا۔ وہ ہر دینی تحریک کی صفِ اول میں نظر آتے تھے۔ بے دین قوتوں نے جب پاکستان میں اسلامی شعائر کو مٹانا شروع کیا اور ملک کے اندر دینی فتنے سر اٹھانے لگے تو ڈاکٹر سرفراز نعیمی نے سینہ تان کر ان کا مقابلہ کیا۔ وہ نہ تو حکمرانوں سے ڈرے نہ دہشت گردوں سے خائف ہوئے۔ وہ اہلِ سنت کی ہر تحریک میں پیش پیش رہے۔ اور ہر باطل قوت کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے میدان عمل میں نکلے۔ وہ ایک متحرک رہ نما، ایک مقتدر دینی رہ نما، اور سنیوں کو یکجا کرنے میں سرگرمِ عمل رہے۔ ان کی شہادت سے یوں معلوم ہوا جیسے

اب سنیوں کے ہاتھ سے تلوار گر گئی

ڈاکٹر سرفراز نعیمی واقعی اہلِ سنت کی تلوارِ بے نیام تھے۔ وہ ہر محاذ پر لڑے، ہر دشمن دیں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر میدان میں نکلے۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، بے دین قوتوں کا مقابلہ کیا، پھر فوجی آمریت کے مظالم اور دہشت گردوں کی للکار کے سامنے سینہ سپر رہے۔

وہ کہ سوزِ غم کو سانچے میں خوشی کے ڈھال کر
مسکرایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی کو اللہ تعالیٰ نے شہادت سے سرفراز فرمایا۔ سارا پاکستان ان کی شہادت کے غم میں ڈوب گیا۔ پاکستان کا بچہ بچہ ان کی شہادت پر رویا۔ سارے

پاکستان نے آپ کا سوگ منایا۔ سب کچھ چھوڑ کر خیبر سے لے کر سمندر کے ساحل تک فرزندانِ پاکستان نے دلی دکھ کا اظہار کیا۔ ہر آنکھ نے آنسوؤں کا نذرانہ پیش کر کے ان کی شہادت کو ہدیۂ عقیدت پیش کیا۔

عوام الناس اور اہلِ سنت و جماعت کے علاوہ حکومتِ پنجاب نے سرکاری اعزاز کے ساتھ اس شہیدِ دین مصطفیٰ ﷺ کی تجہیز و تکفین میں اپنا اپنا کردار ادا کیا۔ پاکستان کے اعیانِ اقتدار نے آپ کی خدمات کو سراہا۔ عالمِ اسلام کے سربراہوں نے آپ کی شہادت کو دہشت گردی کا بدترین نشانہ قرار دیا۔ میڈیا، اخبارات، مساجد، مدارس اور اجتماعات میں آپ کی خدمات کو ہدیۂ تحسین پیش کیا۔ اور آپ کی شہادت کو امتِ مسلمہ کی سرفرازی کا پہلا قدم قرار دیا۔

آپ کا جنازہ عوام کے غم والم کا زبردست اجتماع تھا۔ ہم نے حد نگاہ تک اشکبار آنکھیں لیے ہوئے ہزاروں افراد کو صف بستہ دیکھا۔ ہم نے اپنی زندگی میں اتنا بڑا جنازہ کبھی نہیں دیکھا تھا اور اتنے سوگوار کبھی جمع نہیں ہوئے تھے۔

چوں بگذرد نعیمی خونیِ کفن بہ حشر
خلقے فغاں کنند کہ این داد خواہ کیست؟

علمائے کرام، مشائخِ عظام، اور عوام نے شہادت کے بڑے بڑے اجتماعات میں شہید اہلِ سنت کی دینی خدمات کو ہدیہ تحسین پیش کیا۔ وہ اہلِ سنت کا سرمایہ تھے۔ وہ سنیوں کے سست عناصر کے درمیان ایک متحرک عالمِ دین کا کردار ادا کر رہے تھے۔ وہ سنیوں کی انتشاری اور افتراقی قوتوں کے درمیان صلح و آشتی کا چراغ لے کر دن رات کام کر رہے تھے۔ وہ بکھرے ہوئے علمائے کرام، اور ملتِ اسلامیہ سے کٹے ہوئے پیر زادگان کو یکجا کرنے کے لیے دن رات کوشاں تھے۔ ان کی کوششیں دہشت گردوں اور بے دین طبقوں کے لیے موت کا پیغام تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں پاکستان دشمن قوتوں کے دہشت گرد عناصر نے انہیں اپنا نشانہ بنایا۔

شہیدِ اہلِ سنت ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی ایک عظیم الشان انسان تھے۔ علمائے کرام نے ان کی خدمات کو بجا طور پر ہدیۂ تحسین پیش کیا۔ ہم ذاتی طور پر ''خانوادۂ نعیمیہ'' کے ساری زندگی نیاز مند رہے ہیں۔ ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی کے والدِ محترم مفتی محمد حسین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے چوک والگراں، لاہور، میں جامعہ نعیمیہ کی بنیاد رکھی تو ہم ان کے دست راست تھے۔ الحمد للہ ساری زندگی ان کی نیاز مندی میں گزار دی۔ ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی ابھی پانچ سال کے تھے کہ ہم انہیں اپنے کندھوں پر بٹھا کر بازار لے جایا کرتے تھے۔ سردار محمد محفوظ نعیمی ان سے بڑے تھے۔ عزیزی تاجور نعیمی تو بعد میں دنیا میں آئے یہ بات ہمارے قارئین کو کچھ چھوٹی سے لگے گی۔ ہماری عمر اس وقت بیاسی سال ہے اگرچہ یہ بات چھوٹی ہے مگر ہمیں فخر کرنے دو کہ ہم شہیدِ اہلِ سنت محمد سرفراز نعیمی کو اپنے کندھوں پر اٹھایا کرتے تھے۔ لوگو! ہمیں داد دو کہ ہم شہیدِ اہلِ سنت کو اپنے کندھوں پر سوار کیا کرتے تھے۔ لوگو! ہمیں مبارک باد دو۔ ہم نے شہیدِ اہلِ سنت کو اپنے کندھوں پر بٹھانے کا شرف حاصل کیا تھا۔ لوگو! ہمارے کندھوں کو محبت سے چومو کہ ہمارے کندھوں پر آپ کا شہید بیٹھا کرتا تھا۔ یہ بات شاید بعض اہلِ علم کو اچھی نہ لگے مگر ہم

نے ایک بہت بڑے جلسے میں جب یہ واقعہ پیش کیا۔ جس کی صدارت ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی اس وقت کر رہے تھے جب وہ ڈاکٹر تھے، جب وہ مفتی تھی، جب وہ مقتدر عالم دین تھے، جب وہ دارالعلوم نعیمیہ کے سربراہ تھے، جب وہ ایک دینی رہ نما تھے، وہ اٹھے اور بھری محفل میں ہمارے دعوے کی تائید کی۔ اور ذرا خیال نہ کیا کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔

مجھے رونے دو، میری آنکھوں سے آنسو بہنے دو۔ میری آنکھوں کو نہ روکو! میرے دل کے زخموں پر مرہم نہ رکھو۔ میرے دل کو جی بھر کر رولینے دو۔

رولے اے دل کھول کر بادیدہ خوناب بار
سامنے تیرے ہے شہیدِ اہلِ سنت کا مزار

اور

؎ میرا رونا نہیں، رونا ہے یہ سارے زمانے کا!

آج ڈاکٹر سرفراز نعیمی ہمارے درمیان نہیں رہے۔ آج سنیوں کا رہ نما ہم سے چھین لیا گیا۔ آج سنیوں کو یکجا کرنے کے لیے دن رات ایک کرنے والا جاتا رہا ہے۔ آج ہمارا غم گسار جاچکا ہے۔ پیرزادگان، ذی شان اور بے شمار سنی موجود تھے۔ ہم ان کی خصوصی دعوت پر "ایوانِ اقبال" میں عام لوگوں میں بیٹھ گئے۔ اور جلسے کے اختتام پر واپس آگئے دوسرے دن خود تشریف لائے اور ہمارے آنے کا شکریہ ادا کیا۔ ہمارے سٹیج پر نہ آنے پر گلہ کیا۔ ہم خوش ہوگئے۔ ہمارا دل خوش ہوگیا۔ مگر دو دن بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت سے سرفراز کردیا۔

آج جبہ و قبہ والے مشائخ، طرح دار پگڑیوں والے علما۔ زرق برق کاروں پر دوڑنے والے صاحبزادوں میں کوئی ایسا ہے؟ جو اپنے نیاز مندوں کے گھر پہنچے۔ اپنی موٹر سائیکل پر بلاتکلف، بن بلائے پھر بغیر دعوتی کارڈ کے ہم جیسوں کے پاس چلا آئے۔

"ہائے او موت! تجھے موت ہی آئی ہوتی"

اے موت! تو نے کتنا بڑا آدمی ہم سے چھین لیا۔ تم نے کتنے بڑے سرفراز کو شہادت کی چادر میں لپیٹ لیا۔ اے موت! تو کتنی بے رحم ہے تو نے ڈاکٹر سرفراز نعیمی جیسے پیارے دوست کو ہم سے چھین لیا۔

مقدور ہو تو موت سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے؟

یہ ڈاکٹر سرفراز نعیمی تھے۔ وہ ہم سے چھوٹے تھے۔ مگر جب وہ آتے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہم سے بہت بڑے ہیں۔ ہم سوچتے وہ بڑے ہیں، چھوٹے نہیں۔ مگر جب وہ بات کرتے تو یوں محسوس ہوتا کہ وہ تو بہت بڑے ہیں۔ ہم نے کئی بار انہیں یاد دلایا کہ آپ کتنے بڑے ہوگئے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ جب قائدِ اہلِ سنت الشاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے سر پر ہاتھ رکھنے خود بہ خود چلے آتے تھے۔ مجاہد ملت مولانا عبد الستار خاں نیازی رحمۃ اللہ علیہ، بلند کلہ و دستار لیے ہم غریبوں کے سر پر ہاتھ رکھنے آجاتے۔ آج جب ہم اصاغر اہلِ سنت کے نودولتیوں کو اپنی خوبصورت کاروں پر دھول اڑاتے سڑکوں پر بھاگتے دیکھتے ہیں تو نورانی یاد آتے ہیں، نیازی یاد آتے ہیں، نعیمی یاد آتے ہیں۔

ڈاکٹر سرفراز نعیمی کے ایصالِ ثواب کے جلسے میں بڑے بڑے علما کرام اور پیرانِ عظام آئے تھے۔ پاکستان بھر کے سنی علما اور پیرزادے اپنے شہید کو خراجِ

تحسین پیش کرنے کے لیے جامعہ نعیمیہ میں جمع تھے۔ ایک سے ایک بڑھ کر، ایک سے ایک بھاری بھر کم، ایک سے ایک بڑھ کر گرجنے، چمکنے اور مجمع پر چھاجانے والے، یہ سب کے سب ہماری بجلیاں ہیں آندھیاں ہیں اور طوفان ہیں۔ ان کو دیکھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔

یہ چمکتے ہوئے حسین چہرے
یہ مہکتی ہوئی سیاہ زلفیں
ان کی باتوں سے پھول جھرتے ہیں
زندگی کے اصول جھڑتے ہیں
ان کو سورج سلام کرتا ہے
ان سے یزداں کلام کرتا ہے

مجمع میں بیٹھے ایک دوست کو ان علما اور مقررین کی یہ بات پسند نہ آئی کہ

"ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ دہشت گردوں کو ختم کردے!"

ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارے دشمنوں کو کیفرِ کردار تک پہنچادے!

ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ڈاکٹر نعیمی کی ایک چیئر قائم کردے!

ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ڈاکٹر نعیمی کے نام کا ایک چوک بنادے!

ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ڈاکٹر نعیمی کے نام پر ایک سڑک بنادے!

ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ڈاکٹر نعیمی کی ایک یادگار کھڑی کردے!

ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ڈاکٹر نعیمی کو "نشانِ حیدر" دے دے!

یہ مطالبے سن کر میرے دوست کو حیرانی ہوئی کہ یہ علما کس حکومت کے سامنے فریادیں لے کر کھڑے ہیں آج تک کبھی حکومت نے ان کا کوئی "مطالبہ" مانا ہے۔ خواہ مخواہ ایک 'بے جان حکومت' کے دروازے پر جھولی پھیلائے مطالبہ کر رہے ہیں۔ جو "بے چاری حکومت" اپنی پولیس، اپنے تھانوں، اپنے وزیروں، اپنے امیروں، اپنے گھروں کی حفاظت نہیں کرسکتی، اس "مسکین حکومت" سے ایسے مطالبے چہ معنی دارند!

تم عظیم سنی اکثریت کے رہ نما ہو، تم نے اس عظیم اکثریت کو ٹولیوں میں تقسیم کردیا ہے اور اسے اقلیت میں بدل دیا ہے۔ تم نے سنیوں کے شیروں کو لومڑیاں بنادیا ہے۔ تم نے انتشار اور انانیت کے بتوں کو اپنا خدا بنا کر ملت واحدہ کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے۔

آج تمہارے انتشار نے سنی شیروں کو لومڑیاں بنادیا ہے۔

آنکہ شیراں را کند روباہ مزاج
انتشار است، انتشار است، انتشار

آج سنی علما اور مشائخ کے سامنے ایک ہی راستہ ہے کہ ڈاکٹر سرفراز نعیمی کے خونی کفن پر ہاتھ رکھ کر ایک ہوجائیں، یک جان ہوجائیں، پھر دیکھیں دنیا کی کوئی حکومت، دنیا کا کوئی دہشت گرد، دنیا کی کوئی طاقت انہیں نقصان نہیں پہنچاسکے گی۔ اگر یہ اپنی اپنی ٹولیوں کو اپنی اپنی امامت میں لیے رہے، اپنے اپنے درویشوں میں بیٹھے رہے،

اپنے اپنے خوشامدیوں کے حلقوں میں خوش ہوتے رہے۔ اپنے اپنے ٹانگوں پر سوار رہے۔ اپنے اپنے مریل گھوڑے دوڑاتے رہے۔ تو یہ عظیم اکثریت اقلیت میں بدل جائے گی۔ اور ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی نے سنیوں کے اتحاد اور "پاکستان" بچاؤ" کی جس مہم کا آغاز کیا تھا وہ دم توڑ جائے گی۔

ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی ایک دانشور دینی رہ نما تھے۔ ان کی زندگی اتحادِ امت کے لیے وقف تھی خصوصاً اتحادِ اہلِ سنت کے لیے وہ دن رات کام کر رہے تھے۔ اگرچہ وہ اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکے مگر وہ شہادت کے اعلیٰ درجے پر سرفراز ہوئے۔ انہوں نے جامِ شہادت نوش کر کے ہمارے سارے سنی خانوادے کا سر اونچا کر دیا ہے۔

آج ہم نے اپنی مساجد میں جہاد کی آیات پڑھنا چھوڑ دی ہیں۔ آج ہمارے علما جہاد پر بات نہیں کرتے۔ آج ان سنی علما کی شعلہ بیانیوں میں نہ جہاد کی بات ہوتی ہے نہ کسی مجاہد کا تذکرہ ہوتا ہے۔ سابقہ دس سالوں میں مجاہد کو 'دہشت گرد' کہا گیا جہاد کو "انتہا پسندی" کا نام دیا گیا۔ جہاد پر گفتگو کو خلافِ قانون قرار دیا گیا۔ ہمارے علما اگرچہ سنی العقیدہ ہیں مگر وہ مرزا قادیانی کا یہ شعر اپنی زبان سے پڑھتے رہتے ہیں:

اے دوستو! اب چھوڑ دو جہاد کا خیال
دیں کے لیے حرام ہے اب جنگ اور جدال

قادیانی تو انگریز کا خود کاشتہ پودا تھا۔ وہ جہاد کے جذبے کو ٹھنڈا کرنے کے مشن پر تھا۔ مگر ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم جہاد کی آیات پڑھتے ڈرتے ہیں۔ جہاد پر بات کرتے سہمے رہتے ہیں۔ ہماری مساجد، ہمارے جلسے، ہمارے اجتماعات جہاد کا لفظ زبان پر نہیں لاتے۔ پھر ہم ان علمائے کرام سے پوچھتے ہیں ؏

کہاں سے آئے گی اب صدائے لا الہ الا اللہ

علامہ اقبال نے نظیری نیشاپوری کے ایک مصرع کو بڑے اعزاز سے پیش کیا ہے

بہ ملکِ جم ندہم مصرعہ نظیری را
کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست

ہم جمشید اور دارا کے ملک کے بدلے نظیری نیشا پوری کا یہ مصرع کسی کو دینے کے لیے تیار نہیں ہیں ؏

کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست

"جو شہید ہونا نہیں جانتا وہ ہمارے قبیلے سے نہیں"۔ وہ مسلمان نہیں، وہ سنی نہیں۔ آج ڈاکٹر سرفراز نعیمی شہید نے ہمارے قبیلے اور سنیوں کی لاج رکھ لی ہے اور شہید ہو کر بتا دیا ہے کہ

کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست

آؤ! ہم مل کر شہیدِ اہلِ سنّت کی شہادت کے سامنے سر جھکا دیں۔ آؤ! ہم شہیدِ اہلِ سنت کی قبر پر کھڑے ہو کر عہد کریں کہ ہم اپنے اندر کے بت توڑ کر یک جان ہو جائیں گے۔ ہمارا قبیلہ ایک ہو گا۔ ہمارا قبلہ ایک ہو گا۔ ہمارا کعبہ ایک ہو گا۔ ہمارا کارواں ایک ہو گا۔ ہمارا قافلہ ایک ہو گا۔ ہمارا مکہ ایک ہو گا۔ ہمارا مدینہ ایک ہو گا۔

پھر مدینے کی گھٹائیں ہم پہ برسیں گی ضرور
پھر مدینے والے کے سایے میں بیٹھیں گے ضرور

سرفرازی ہوگئی حاصل تمہیں دارین کی

علامہ مولانا محمد منشا تابش قصوری
(جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)

دہشت گردی کا فتنہ نیا نہیں۔ اِس کی تاریخ بڑی طویل اور بھیانک ہے۔ اِسلام کے ظہور ہوتے ہی اِس نے سر اُٹھایا اور پھر بڑھتا ہی چلا گیا۔ محسنِ اعظم، سیّدِ عالم، نبیِ مکرّم، رسولِ معظّم جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اُس سے دوچار ہوئے۔ مشرکینِ مکہ کے ساتھ ساتھ یہودی، عیسائی اور مجوسی پیش پیش رہے۔ اِسی قماش کے لوگ منافقت کے لباس میں اسلام کا نام استعمال کرنے لگے تو نبیِ کریم ﷺ نے ایک دن مسجدِ نبوی میں ایک ایک کا نام لے کر فرمایا: قم فلان فاخرج فانک منافق (کھڑا ہو فلاں، نکل جا مسجد سے! بے شک تُو منافق ہے)۔

بیان کرتے ہیں کہ اِن دہشت گردوں (منافقین) کی تعداد ساڑھے تین سو (۳۵۰) تک پہنچ چکی تھی جنہیں مخبر صادق نبیِ مکرّم ﷺ نے اَپنی مسجد سے بیک وقت نکال کر طشت از بام فرمایا جس سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم محفوظ ہوگئے۔

وقت گزرتا گیا، یہاں تک کہ امیر المؤمنین خلیفۃ الرّسول حضرت سیّدنا عمر ابنِ خطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں فتوحاتِ اسلامیہ کا سلسلہ بڑی برق رفتاری سے چلا اور اِسلام حجازِ مقدس کو سیراب کرتا ہوا عراق، ایران، ہند، سندھ اور چین کی سرحدوں تک جا پہنچا تو دہشت گردوں نے سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا منصوبہ مرتب کیا اور اِس سازش کو بروئے عمل لانے کے لیے آپ ہی کے ایک غلام ابو لؤلؤ فیروز مجوسی کو آمادہ کرلیا۔ چنانچہ حسبِ معمول آپ مسجدِ نبوی میں مصلیٰ امامت پر نمازِ فجر کی ادائیگی کے لیے قیام فرما ہوئے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اطمینان و سکون سے اقتدا فرمائی۔ جب آپ رکوع کے بعد اللہ تعالیٰ جل و علیٰ کے حضور سربہ سجود ہوئے تو ابو لؤلؤ فیروز مجوسی دہشت گرد نے آپ پر خنجر چلا دیا اور بھاگنے کی ناکام کوشش کی۔ جب اُس نے محسوس کیا کہ پکڑا جاؤں گا تو وہ اپنے سینے میں اپنا خنجر بھونک کر خودکُشی کرکے جہنم کا ایندھن بن گیا۔ تاریخِ اسلام میں یہ پہلا خودکُش دہشت گرد تھا جس نے مسجدِ نبوی کی حرمت کو پایے مال کرکے مساجد و مدارس میں ہونے والی دہشت گردی کی بنیاد رکھی۔ وقت گزرتا گیا، یہاں تک کہ خلیفۂ ثالث امیر المؤمنین حضرت سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینۂ طیبہ میں اُن کے گھر ابنِ سبا یہودی دہشت گرد کی سازش سے قرآنِ کریم کی تلاوت کے دوران شہید کردیا گیا۔ تاریخ نے اِن دہشت گردوں کو بلوائیوں کا نام دیا۔

یوں ہی اسلام کے چوتھے خلیفہ حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے، کوفے کی جامع مسجد میں نمازِ فجر کی سنتیں ادا فرماتے ہوئے عبدالرحمٰن ابن ملجم یہودی کی تلوار سے گھائل ہوکر جامِ شہادت نوش فرمایا۔ یہ دہشت گرد منافقت کا لبادہ اوڑھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک لشکری بن چکا تھا۔

ذرا تصور کیجیے تین خلفاے رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یکے بعد دیگرے اپنے اپنے دورِ خلافت میں دہشت گردی کا نشانہ بننا کوئی معمولی بات نہیں، دیکھنا یہ ہے کہ ان لوگوں نے ایسی قبیح کارروائیاں کیوں کیں؟ ظاہر ہے اُن کا مطمحِ نظر اسلام کو مِٹانا تھا، تو کیا وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے؟ نہیں ہرگز نہیں، بلکہ وہ ہمیشہ ناکام رہے اور اُن کے برعکس شہداے اسلام کے خون نے اِسلام کی مَانگ میں رنگ بھر دیا اور اس کے انوار و تجلیات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔

دہشت گردی کا نشانہ بننے والے اسلام کے عظیم ترین اشخاص کو اگر زیرِ قلم لایا جائے تو کئی دفتر تیار ہوں۔ مگر راقم اُن تمام شہدا کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے عصرِ حاضر میں مِلّتِ اسلامیہ کی نام ور علمی شخصیت حضرت علامہ الحاج الحافظ القاری ڈاکٹر مفتی محمد سرفراز احمد صاحب نعیمی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضری دیتا ہے جو ۱۲؍جون ۲۰۰۹ء / ۱۸؍جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ بروز جمعۃ المبارک کو ایک بد قماش دہشت گرد کا نشانہ بنے اور جہاں بھر کو روتا چھوڑ گئے۔ اُن کی شہادت کی خبر پوری دُنیا میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، شہروں کے شہر اُن کے سوگ میں بند ہوگئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب شہید کے ساتھ ان کے چار ارشد تلامذہ نے بھی حقِ تلمذ اَدا کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

عبادت اور شہادت: گو شہادت خود عبادت ہے مگر جب عبادت پر شہادت کا لباس سَج جائے تو اس شہید کی رفعت و عظمت کے کیا کہنے۔ ممدوحِ پاکستان مخدومِ عالمِ اسلام، حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب شہادت کا منصب نصیب ہوا۔ اس وقت آپ خطبہ و نمازِ جمعہ ایسی بلند تر عبادت کا فریضہ سَرانجام دیتے ہوئے اپنے دفتر تشریف لائے، جہاں کبھی اپنے وقت کی عظیم علمی و روحانی ہستی، آپ کے والدِ ماجد مفتیِ اعظم استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مفتی محمد حسین صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ جلوہ افروز ہوا کرتے تھے۔ باوجودیکہ وہ علوم و فنون کے بحرِ بے کراں تھے مگر اُسوۂ حسنہ اُن کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ درویشی، عاجزی، انکساری اُن پر نازاں تھی۔ جامعہ نعیمیہ کی ایک ایک اینٹ اُن کی عظمت پر شاہد و ناطق ہے۔ بعینہٖ حضرت علامہ مفتی ڈاکٹر سرفراز نعیمی شہید علیہ الرحمۃ بھی اپنے والدِ ماجد کے کمالاتِ جلیلہ، خصائل و خصائصِ حمیدہ کا پیکرِ جمیل تھے۔ آگے بڑھنے سے پہلے ذرا عبادت و شہادت سے جو نتائج مرتب ہوتے ہیں، ان کی ہلکی سی جھلکی ملاحظہ فرمائیے:

عبادت ہے شجر لیکن شہادت ہے ثمر اس کا
عبادت ہے دُعا لیکن شہادت ہے اثر اس کا

عبادت بے شبہ بے چین دل کو چین دیتی ہے
شہادت، چین لے کر عظمتِ دارَین دیتی ہے
عبادت کی حقیقت ہے محبت میں فنا ہونا
شہادت کی حقیقت ہے فنا ہو کر بقا ہونا

اس دور میں اگر ان اشعار کا کسی کو مصداق گردانا جاسکتا ہے تو بلاشبہ ڈاکٹر سرفراز نعیمی شہید علیہ الرحمۃ کی ذاتِ ستودہ صفات کو سمجھا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہوگا۔

عجیب بات ہے کہ دہشت گرد نے آپ کو سلام کیا، آپ نے جواباً سلام فرمایا۔ پھر معانقہ کرتے ہوئے آپ نے جنت کی راہ اختیار فرمائی اور دہشت گرد جہنم کا ایندھن بن گیا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمۃ کی علمی، تدریسی، تحریری، تقریری، تبلیغی، ملکی، ملّی، قومی اور مسلکی خدمات کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ مَرحوم سچے، سُچے حنفی، سنّی، بریلوی، نعیمی ہونے کے باوجود وسیع قلب اور کشادہ ذہن کے مالک تھے۔ علم و عمل کا پیکرِ جمیل تھے، تصنع و بناوٹ اور خوشامد کا اُن میں نام و نشان نہ تھا۔ وہ سچے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور محبِ غوثِ اعظم تھے، وہ ہر محفل کی جان اور پہچان تھے۔ استحکام پاکستان کے لیے موصوف کی جدوجہد مثالی تھی اور اپنے اِسی مشن کی تکمیل کی تگ و دو میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سُرخرو ہوگئے۔

ڈاکٹر صاحب کی شہادت نے جہاں بھر کو سُلایا، یگانے، بیگانے، اپنے، پرائے، سبھی روئے، پاکستان رویا، ہندوستان رویا۔ عرب، شام، اردن، عراق و ایران رویا، مسلم روئے، غیر مسلم روئے، آخر اُن میں کیا بات تھی، کیا خوبی تھی؟

عرش پر دھومیں مچیں وہ مومنِ صالح ملا
فرش سے ماتم اُٹھے وہ طیب و طاہر گیا

راقم السطور سے بیرونی ممالک کے متعدد علماء کرام نے فون پر حضرت ڈاکٹر شہید کی اچانک شہادت پر تعزیت کی اور کہا کہ ہمارے جذبات علامہ راغب نعیمی صاحب تک پہنچادیں۔ خصوصاً بولٹن، برطانیہ سے علامہ محمد ایوب اشرفی صاحب مدظلہٗ جو حضرت صدر العلماءعلامہ سید غلام جیلانی میرٹھی اشرفی علیہ الرحمۃ کے داماد اور تلمیذِ رشید ہیں وفورِ جذبات سے انتہائی دکھ، درد کا اظہار کرتے ہوئے فرمارہے تھے کہ میرے پاس الفاظ نہیں جن سے حضرت کی خدمت میں کماحقہٗ نذرانہ پیش کرسکوں۔ بہرحال، رضائے مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔

منافقین، امریکہ، اسرائیل اور بھارت کا جو ایجنڈا دہشت گردی کی صورت میں پورا کرنے کی ناپاک کوشش کررہے ہیں ان شاء اللہ العزیز ناکام ہوں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بجاہِ حبیبہ الاعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ڈاکٹر صاحب کی شہادت کو عالمِ اسلام، پاکستان، سُنیّت، مدارس اور جامعہ نعیمیہ کے استحکام کا باعث بنائے۔ حضرت علامہ راغب نعیمی صاحب اور دیگر تمام جسمانی و روحانی پسماندگان کو صبرِ جمیل، اجرِ جذیل عطا کرے اور حضرت ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمۃ کو جوارِ رحمت میں جگہ مرحمت فرمائے۔ اٰمین ثم اٰمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

تعزیت نامے

بروصال علامہ ڈاکٹر مفتی محمد سرفراز احمد نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

مخدوم شاہ محمود حسین قریشی ہاشمی اسدی

سجادہ نشیں، درگاہِ حضرت غوث بہاء الدین زکریا و حضرت شاہ رکن عالم

﴿وزیرِ خارجہ، اسلامی جمہوریہ پاکستان﴾

محترم جناب علامہ ڈاکٹر محمد راغب حسین نعیمی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

مجاہدِ ملت حضرت علامہ ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی کی المناک شہادت صرف پاکستان ہی نہیں، بلکہ عالمِ اسلام کا عظیم نقصان ہے۔ مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ کے مصداق ان کی وفات بلاشبہ ایک دنیا کی موت ہے۔

حضرت علامہ نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار وطنِ عزیز کے اُن مذہبی قائدین میں ہوتا ہے جنھوں نے ہمیشہ اپنے قول و فعل سے مذہبی ہم آہنگی، ملکی سالمیت و استحکام، قیامِ امن اور فرقہ وارانہ دہشت گردی کے خاتمے میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اتحادِ اُمت اور جذبۂ حُبّ الوطنی کے حوالے سے اپنے عظیم المرتبت والدین کے جانشیں تھے۔ اُنھیں اپنی شہادت کے حوالے سے تمام مکاتبِ فکر اور پوری ملت کی جانب سے جو عزت و عظمت نصیب ہوئی، اُس کی نظیر مشکل سے ملتی ہے۔

بندے نے یکم مئی ۲۰۰۹ء کو حضرت شاہ رُکن الدین عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے سالانہ عرس میں عرض کیا تھا کہ اہلِ سنت کے اکابر علما و مشائخ نے تحریکِ پاکستان میں ناقابلِ فراموش خدمات سرانجام دی ہیں، اُسی طرح اِستحکامِ پاکستان کے لیے اُن کے تعاون کے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔ بندے نے جمعیتِ علماے پاکستان، جماعتِ اہلِ سنّت اور سُنّی تحریک، جو ملک کی غالب اکثریت کی نمائندہ تنظیمیں ہیں، کے قائدین سے دہشت گردی کے خاتمے کے لیے باہمی اِتحاد اور تعاون کی درخواست کی تھی۔ اِستحکامِ وطن کے لیے علامہ نعیمی کا لہو رنگ لائے گا۔

میرے والدِ گرامی حضرت مخدوم محمد سجاد حسین قریشی (سابق گورنر پنجاب) کے آپ کے دادا جان کے ساتھ گہرے روابط تھے اور وہ گورنری کے دور میں جامعہ نعیمیہ کی تقریب میں شریک بھی ہوئے تھے۔ یہ دونوں بزرگ وفاقی مجلسِ شوریٰ میں اکٹھے رہے۔ ملتان میں ہمارے گھر کے سامنے جشنِ عیدِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریب میں حضرت مفتی صاحب نے میرے والد کی زیرِ صدارت تاریخی خطاب فرمایا۔ وہ علم و عمل اور سادگی و قناعت کا پیکر تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر صاحب کی مغفرت فرمائے! آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

شریکِ غم

شاہ محمود قریشی

ڈاکٹر محمد صدیق خاں قادری

(جنرل سیکریٹری، علماو مشائخ کونسل، پاکستان؛
اسسٹنٹ پروفیسر، نشتر میڈیکل کالج، ملتان)

بہ خدمتِ گرامی حضرتِ والا مرتبت

سلامِ مسنون۔ مزاجِ گرامی!

آپ کے موٴقر جریدے کی وساطت سے حضرت علامہ مفتی پروفیسر محمد سرفراز نعیمی کی شہادت پر انتہائی رنج وغم اور شدید صدمے کا اظہار کرتا ہوں۔

شہید حضرت علامہ محمد سرفراز نعیمی عالمِ اسلام کے عظیم اسکالر، دانشور، منتظم، فقیہ اور اعلیٰ انتظامی، تعلیمی اور تدریسی صلاحیتوں سے مالامال تھے۔ اتحادِ ملتِ اسلامیہ اُن کا مقصدِ حیات تھا۔ وہ حقیقی معنوں میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی تصویر اور دورِ حاضر میں ملتِ اسلامیہ کی توقعات کا محور تھے۔ قناعت، سادگی اور توکل اُن کی خصوصیات تھیں۔ وہ ساری زندگی اتحادِ بین المسلمین کے داعی رہے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے کئی اجتماعات بھی منعقد کیے اور ہمیشہ فرقہ واریت اور تعصبات کے خلاف سرگرمِ عمل رہے۔ اُن کی شہادت ایک عالم کی شہادت ہے۔ بلاشبہ اُن کی وفات مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمْ کے مصداق ایک عالَم کی موت ہے۔

علامہ سرفراز نعیمی ساری زندگی اتحادِ امت، عشقِ رسول ﷺ کے فروغ اور جذبۂ حُبّ الوطنی کو اجاگر کرنے کے لیے سرگرمِ عمل رہے۔ وہ دشمنانِ اسلام کے خلاف سینہ سپر رہے۔ وہ دشمنانِ دنیا کے لیے تیغِ بُرّاں اور نادمانِ دین کے لیے بریشم کی طرح نرم تھے۔ وہ سادگی اور درویشی کی تصویر تھے لیکن انہوں نے ہمیشہ ظالم اور جابر حکمران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمۂ حق بلند کرنے کا فریضہ ادا کیا جس کی پاداش میں انہوں نے کئی بار قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

اُن کے والدِ گرامی، مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی مرحوم فقرِ غیّور کا پیکرِ جمیل اور اسلاف کی عظیم یادگار تھے۔ راقم کو اُن سے نیاز مندی کا شرف حاصل رہا ہے۔ اُن کی حیاتِ ظاہری میں "عرفات" میں میرے مضامین شائع ہوتے رہے۔ برادرِ گرامی علامہ فاروق سعیدی کی دعوت پر علامہ مفتی محمد حسین نعیمی ہمارے محلے میں تشریف لائے۔ پھر دولت گیٹ میں سابق گورنر پنجاب مخدوم محمد سجاد حسین قریشی مرحوم کی زیرِ صدارت جشنِ میلاد کانفرنس میں تاریخی خطاب فرمایا۔ اسی نسبت سے علامہ سرفراز نعیمی رحمۃ اللہ علیہ بھی راقم پر شفقت فرماتے تھے۔ آپ ہی کے ارشاد پر مفتیٔ اعظم مفتی محمد حسین نعیمی کے تاریخ ساز اور معرکۃ الآرا خطاب (جو انہوں نے اکتوبر ۱۹۷۸ء میں ملتان سُنّی کانفرنس میں فرمایا تھا) کی کاپی ارسال کی تھی۔ آپ بھی بندے کے مضامین اپنے موٴقر جریدے میں شائع فرماتے رہے۔ اس عریضے کے ساتھ وزیرِ خارجہ پاکستان مخدوم شاہ محمود قریشی کے تعزیتی مکتوب کی کاپی بھجوا رہا ہوں۔ یہ خط علامہ محمد سرفراز نعیمی سے اُن کی دلی عقیدت اور محبت کا مظہر ہے۔ اللہ رب العزت حضرت کی خدماتِ جلیلہ کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشے اور علامہ محمد راغب نعیمی کو اپنے جلیل القدر والدِ گرامی کا صحیح جانشیں بنائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ۔

والسلام

ڈاکٹر محمد صدیق خان قادری

وفیات

﴿ندیم احمد ندیمؔ قادری نورانی﴾

۱۔ حضرت مفتی عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اہلیۂ محترمہ اور مولانا عبد المصطفیٰ ہزاروی زید مجدہ کی والدۂ ماجدہ ہفتہ ۱۷ر جمادی الاخریٰ ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۱ر جولائی ۲۰۰۹ء کو بہ قضاے الٰہی خالق حقیقی سے جاملیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

۲۔ پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد اشفاق جلالی زید مجدہ کی والدۂ ماجدہ پیر، ۱۹ر جمادی الاخریٰ ۱۴۳۰ھ / ۱۳ر جولائی ۲۰۰۹ء کو رحلت فرما گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

۳۔ استاذ الحفاظ تلمیذ حافظ الحدیث جانشین حافظ الحدیث کے معاون و مساعد دارالعلوم غوثیہ، عید گاہ، کھاریاں کے بانی حافظ محمد اصغر جلالی بروز سوموار بتاریخ پندرہ جون ۲۰۰۹ء بوقت صبح صادق کافی عرصے علیل رہنے کے بعد دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ مرحوم عالم باعمل، متقی پرہیز گار، مشفق استاد، دیانت دار مہتمم اور اپنے شیخ کامل سے اعلیٰ درجے کی عقیدت رکھنے والے تھے۔

۴۔ علامہ قاری رضاء المصطفیٰ صاحب مد ظلہ العالی کی صاحب زادی اور انجمن طلبۂ اسلام کے ایک سابق محرک کارکن محمد امتیاز خاں قادری کی اہلیہ محترمہ قاریہ یاسمین رضا صاحبہ ۱۲ر رجب المرجب ۱۴۳۰ھ مطابق ۶ر جولائی ۲۰۰۹ء کو دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف کوچ فرما گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ آپ ایک بہترین قاریہ، عالمہ، مقررہ اور نعت خواں تھیں۔ آپ نے ۱۹۸۶ء میں حکومتِ پاکستان کی جانب سے اسلام آباد میں مرکزی سطح پر منعقدہ مقابلۂ حسن قراءت میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔ آپ دارالعلوم نوریہ رضویہ، کلفٹن، کراچی میں مدرسۂ بنات میں درسِ نظامی کی معلّمہ بھی تھیں۔ مرحومہ کی تدفین مورخہ ۷ر جولائی ۲۰۰۹ء کو عمل میں آئی۔

۵۔ استاذ العلما علامہ مولانا حاکم علی رضوی بدھ کی صبح مورخہ ۲۱ر رجب المرجب ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۵ر جولائی ۲۰۰۹ء کو وصال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ آپ حضرت علامہ ابو داؤد محمد صادق صاحب مد ظلہ العالی کے دارالعلوم "جامعہ حنفیہ رضویہ سراج العلوم" میں صدر مدرّس کی مسند پر فائز تھے۔ آپ کی نمازِ جنازہ اسی دن بعد نمازِ مغرب آپ کے صاحب زادے نے پڑھائی۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی کے صدر جناب صاحب زادہ سید وجاہت رسول قادری، جنرل سیکریٹری جناب پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری، جوائنٹ سیکریٹری پروفیسر دلاور خاں نوری، فنانس سیکریٹری جناب حاجی عبد اللطیف قادری، منیجر محمد اشرف جہانگیر اور راقم الحروف سمیت ادارے کے دیگر اراکین و عملہ دعا گو ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اُن کے درجات بلند کرے اور مرحومین کے پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

ڈاکٹر سرفراز نعیمی شہید

مشتاق احمد قریشی

حضرت ڈاکٹر مولانا سرفراز نعیمی رحمۃ اللہ علیہ سے میری پہلی ملاقات 27 فروری 2001ء کو اس وقت ہوئی تھی جب برادرم عزیز اور مساوات لاہور کے چیف ایڈیٹر سجاد بخاری نے قرآنی آیات کی میری پہلی کتاب "تفسیر سورۃ الاخلاص" کی تقریب رونمائی کا اہتمام لاہور پریس کلب میں کیا تھا۔ تقریب کے اختتام پر حضرت مولانا سرفراز نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے وقت رخصت گلے لگاتے ہوئے فرمایا تھا: "قریشی صاحب! آپ کی یہ تقریب اتحاد بین المسلمین کا بڑا عمدہ گلدستہ تھی" میں نے چونک کر دریافت کیا 'کیسے تو حضرت نے فرمایا میرا تعلق حنفی فقہ کے بریلوی مسلک سے ہے' مولانا فضل الرحیم دیوبندی مسلک کے ہیں جبکہ مولانا زبیر احمد ظہیر اہلحدیث ہیں۔ ایک اور صاحب جن کا نام فی الحال یاد نہیں آرہا ان کا تعلق فقہ جعفریہ سے تھا۔ انہوں نے میری کمر تھپتھپائی اور مسکراتے ہوئے دعا کی کہ اللہ آپ کو' آپ کی کتاب کو اتحاد بین المسلمین کا واسطہ بنائے۔ یہ کہتے ہوئے وہ ڈائس سے نیچے اتر کر چلے گئے۔ اس کے بعد میری اتفاقی ملاقات ایک روز لاہور سے اسلام آباد جاتے ہوئے بس اسٹینڈ پر ہوئی۔ حضرت مولانا بھی اسلام آباد کسی کام سے جارہے تھے۔ باتوں باتوں میں ضیاء الحق کی شہادت اور ان کی برسی کی بات نکل آئی تو میں نے اپنی معلومات کے لئے حضرت مولانا سے دریافت کیا کہ "حضرت قرآن میں ہے کہ شہید کو مردہ مت کہو" اس پر انہوں نے سورۃ البقرۃ اور آل عمران کی آیات کے علاوہ بھی دو دیگر آیات سنائیں اور فرمایا کہ "جو شہید کو مردہ کہے وہ قرآن کا منکر ہے اور جو قرآن کا منکر ہے وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا" اس پر میں نے حضرت مولانا سے پوچھا "جب اللہ رب العزت شہید کو زندہ کہہ رہا ہے' اس کی زندگی کی معتبر ترین خبر دے رہا ہے تو ہم اسے تسلیم کیوں نہیں کرتے" مولانا نے حیرت سے مجھے دیکھا اور کچھ خفگی کے انداز سے پوچھا "آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" شہید کی تو تعزیت بھی نہیں کرنا چاہیے۔" لاہور سے راولپنڈی تک کا سفر یونہی گفتگو کرتے اور آرام کرتے گزر گیا۔ انہوں نے میری کئی تالیفات قرآنی پر اپنی بھرپور رائے کا نہ صرف اظہار فرمایا بلکہ میری رہنمائی بھی فرمائی۔ ڈاکٹر سرفراز نعیمی ازہری رحمۃ اللہ علیہ بروز جمعۃ المبارک بعد نماز جمعہ اپنے دائمی سفر پر پرواز کر گئے۔ اللہ ان کے درجات عالیہ مزید بلند فرمائے۔

حضرت مولانا ڈاکٹر سرفراز نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے ایک واقعہ سنایا تھا انہوں نے بتایا کہ "حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت میں فرمایا کہ جنگ احد کے چھیالیس سال بعد حضرت عمر بن جموح اور حضرت عبد اللہ بن خبیر ان دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا تھا۔ سیلاب کی وجہ سے جب ان کی قبر کھل گئی تو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجسام طاہرہ یوں تر و تازہ اور شگفتہ و

شاداب پائے گئے جیسے انہیں کل ہی دفن کیا گیا ہو (موطا)۔'' ایک واقعہ جو ضیاء القرآن میں بھی موجود ہے اس کا بھی ذکر فرمایا تھا کہ ''ابھی حالیہ برسوں میں جب دریاد جلہ اپنے کٹاؤ کے باعث حضرت عبداللہ بن جابر اور دیگر شہداء کی قبروں کے بالکل نزدیک پہنچ گیا تو حکومت عراق نے ان شہداء کرام کے جسموں کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مزار کے قریب منتقل کرنا چاہا تو جب ان قبروں کو کھولا گیا تو تقریباً تیرہ صدیاں گزرنے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جسم صحیح سالم پاک صاف پائے گئے۔ عراق کے ہزار ہا لوگوں نے بچشم خود ان کو دیکھا۔ اس سے بھی آیات الٰہی کی تصدیق ہوتی ہے کہ شہید پوری طرح زندہ رہتے ہیں''۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کا عمل جاری رہتا ہے۔ ان کی شہادت معاشرے پر اثر انداز ہوتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ کی مذکورہ آیت میں فرمایا ہے۔ ''دراصل وہ زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے'' انسانی علم کا دائرہ چونکہ محدود ہے اس لئے اس زندگی کا ہمیں نہ فہم ہے نہ ہی ادراک ہو سکتا ہے لیکن یہ طے ہے کہ شہید زندہ ہیں۔ شہید چونکہ زندہ ہیں اس لئے ہی انہیں عام مردوں کی طرح غسل نہیں دیا جاتا۔ انہیں انہی کپڑوں میں دفن کیا جاتا ہے جن میں وہ شہادت پاتے ہیں۔ یہ عظیم قربانی جو حضرت مولانا ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی ازہری نے دی، وہ کوئی معمولی واقعہ یا معمولی قربانی نہیں ہے وہ بہت ہی باعزت طور پر اپنے رب کے حضور حاضر ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق شہید ڈاکٹر صاحب کو بلند ترین اعزاز سے نوازا ہوگا۔ یقیناً ان کی عظیم قربانی کا پورا پور بدلہ چکا دیا ہوگا بلکہ ان پر ہمیشہ ہمیشہ ربِ کائنات کا فضل عظیم ہوتا رہے گا (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔ شہید کو مردہ کہنا حکم الٰہی کے منافی ہے۔ شہید تو زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔

﴿بہ شکریہ روزنامہ ''جنگ'' کراچی۔ ۲۳ جون ۲۰۰۹ء﴾

اہم اعلان

مولانا اجمل رضا قادری حفظہ اللہ (گوجرانوالہ)، جو ماہنامہ ''معارفِ رضا کے ادارتی بورڈ کے رکن بھی ہیں، ان دنوں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے صدر صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری اور جنرل سیکریٹری پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری کی سوانح عمری مرتب کر رہے ہیں۔ اگر آپ کے پاس ان دو صاحبانؒ کے خطوط ہوں تو آپ اُن کی کاپی ادارے کے پتے پر ارسال فرمائیں۔ نیز اگر آپ ان حضرات کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرنا چاہتے ہوں تو وہ بھی ادارے کو لکھ بھیجیں۔ آپ ہمیں اپنی تحاریر ای۔ میل بھی کر سکتے ہیں۔ ہمارا ای۔ میل ایڈریس ہے: imamahmadraza@gmail.com

حضرت علامہ مفتی حسن حقانی رحمۃ اللہ علیہ

از: مولانا محمد امین نورانی

﴿جامعہ انوار القرآن، جامع مسجد مدنی، گلشن اقبال بلاک ۵، کراچی﴾

کائنات زندگی کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ اصول وضع کیا ہے کہ جو چیز پیدا کی جائے گی بنائی جائے گی اسے بہر حال ختم ہونا ہے چاہیے وہ کسی بھی حیثیت یا وضع کی ہو اور ظاہری بات ہے یہ اصول عالم انسانیت کے لیے بھی ہے کہ جو شخص پیدا ہوتا ہے اسے کبھی نہ کبھی موت کا ذائقہ چکھنا ہی ہوتا ہے مگر اس اشرف المخلوقات میں کچھ ایسے بھی افراد ہوتے ہیں جو اپنی حیات میں اپنی ذات میں انجمن بن جاتے ہیں اور اپنے کاموں، کارناموں اور اپنے عزم و ہمت سے اپنی تاریخ خود بناتے ہیں اس لیے ان کی رحلت سے نہ صرف اپنے عہد کا ایک بہت بڑا نقصان ہوتا ہے بلکہ ان پر تاریخ کا ایک باب ختم ہو جاتا ہے۔

ایسی ہی ایک عظیم شخصیت استاذ الاساتذہ، قدوۃ العلما حضرت علامہ مفتی محمد حسن حقانی اشرفی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو حال ہی میں اپنی حیاتِ مستعار کے اٹھتر سال گزارنے کے بعد اس عالم فانی سے عالم بقا کی طرف کوچ کر گئے اور اپنے پیچھے ہزاروں شاگردوں، علما، طلبا اور کارکنوں کو ملول و محزون چھوڑ گئے۔

حضرت علامہ حقانی صاحب بن مفی آگرہ مفتی عبد الحفیظ حقانی (۱۹۰۰ء، م ۱۹۵۸ء) بن علامہ عبد المجید (۱۸۷۲ء م ۱۹۴۳ء) یکم دسمبر (۱۹۳۰ء) کو صوبۂ یوپی کے فیض آباد کی تحصیل ٹانڈہ میں پیدا ہوئے آپ کا تاریخی نام عظیم الرحمٰن (۱۳۴۹) تھا آپ کا تعلق شیخ انصاری برادری سے تھا۔

آپ کے والد ماجد مفتی آگرہ مفتی عبد الحفیظ چونکہ ایک کامیاب مناظر اور خطیبِ بے بدل اور منجھے ہوئے مدرس تھے اسی لیے زیادہ تر ان کا وقت سفر میں گزرتا اور آپ کبھی امرتسر، کبھی دہلی، کبھی آگرہ، کبھی بریلی اور کبھی ٹانڈہ کے سفر پر ہوتے۔ اس لیے آپ بھی اپنے والدِ ماجد کے ہمراہ ہوتے آپ نے ابتدا میں قرآنِ کریم حفظ کرنا شروع کیا مگر ۱۴ پارے ہی حفظ کیے تھے کہ شدید بیمار ہوگئے اور دو سال تک بیمار رہے جس کی وجہ سے قرآنِ کریم حفظ نہ کر سکے جس کا آپ کو ہمیشہ ملال رہتا مگر آپ کی نگاہِ بصیرت یہ تھی کہ اگر کوئی قرآنِ کریم میں غلطی کرتا تو آپ فوراً اسے لقمہ دیتے اسی لیے اکثر لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ آپ حافظِ قرآن تھے۔ اس کے بعد آپ کو آپ کے والدِ گرامی نے خود ہی تمام کتبِ درسیہ وقتاً فوقتاً پڑھائیں چنانچہ میزان الصرف سے لے کر تفسیر بیضاوی، مشکوٰۃ شریف، ہدایہ مطول وغیرہ ساری کتب آپ نے اپنے والدِ ماجد سے پڑھیں ان کے علاوہ استاذ الوقت حضرت علامہ سید فضل کریم شاہ بہاری جو کہ حضرت حکیم برکات احمد ٹونکی کے خاص شاگرد تھے اور کافی ضعیف تھے ان سے آپ نے نحو میر اور منطق کی ابتدائی کتب پڑھیں۔

دورانِ تعلیم ہی تحریکِ پاکستان میں حصہ لیا اور ۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ نیشنل گارڈ میں شامل ہوگئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد بھی آپ آگرے ہی میں متمکن رہے اور وہاں موجود مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے پہلے ایک ریلیف کمیٹی قائم کی ۱۹۵۱ء میں آپ نے احباب کے ساتھ مل کر بزمِ احباب نامی ایک تنظیم قائم کی اس بزم کے تحت آگرہ میں تعلیمِ بالغاں کے لیے شبینہ سکول قائم کیا۔ آگرے میں حزب الاحناف نامی تنظیم میں بھی آپ سرکر رہنما تھے جس کے تحت سالانہ جلسے اور سیمینار منعقد کیے جاتے جن میں ہندوستان سے علما و مشائخ کی بڑی تعداد شریک ہوتی ایسے ہی ایک سہ روزہ کانفرنس میں قائدِ اہلسنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی، شارح بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی اور سلطان الواعظین علامہ ابو النور محمد بشیر کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہم نے شرکت کی تھی۔ ۱۹۵۱ء میں آپ نے یوپی بورڈ سے مولوی کا امتحان اور ۱۹۵۲ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا جب کہ ۱۹۵۳ء میں الٰہ آباد بورڈ سے عالم اور ۱۹۵۴ء میں انٹر کا امتحان پاس کیا۔

اور امتحان سے فراغت کے بعد ہی عارضی طور پر کراچی کے لیے اکیلے ہی روانہ ہوگئے۔ کراچی پہنچنے کے بعد آپ نے یہیں مستقل رہائش اختیار کرنے کا ارادہ کرلیا اور اپنے اہلِ خانہ اور والدین کو پاکستان بلالیا اس دوران ۱۹۵۴ء تا ۱۹۵۸ء آپ نے کئی جگہ ملازمت کی پہلے آپ پاکستان نیوی میں ملازم ہوئے (۱۱) پولیس محکمۂ انسدادِ رشوت ستانی میں کام کیا۔ ۱۹۵۵ء میں آپ کے والدِ گرامی مفتی آگرہ علامہ عبد الحفیظ رحمۃ اللہ علیہ کراچی تشریف لائے تو ابتداءً جناح مسجد برنس روڈ میں مفتی و خطیب رہے اور پھر مدرسۂ

دارالعلوم مظہریہ، جامع مسجد آرام باغ میں مفتی، مدرس اور شیخ الحدیث مقرر ہوئے یہاں آپ سے استفادہ کرنے والوں میں قائد اہلِ سنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے۔ ۱۹۵۷ء میں حضور غزالیِ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر مفتیِ آگرہ حضرت علامہ عبد الحفیظ رحمۃ اللہ علیہ جب ملتان شریف جانے لگے تو آپ کو بھی ساتھ جانے کا حکم دیا تو سرکاری ملازمت چھوڑ کر عازمِ ملتان ہوگئے اور مدرسۂ انوار العلوم، ملتان میں داخلہ لے لیا جہاں آپ نے اپنے والدِ ماجد کے علاوہ غزالیِ زماں علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی، مفتی سید مسعود علی خاں قادری، مفتی امید علی خاں گیاوی، مولانا عبد الکریم جامپوری اور مولانا محمد جعفر رحمۃ اللہ علیہم جیسے جید اور ماہر اساتذہ سے استفادہ کیا۔ ۱۹۵۸ء میں خانقاہِ عالیہ کچھوچھہ شریف کے سجادہ نشین حضرت پیر سید محمد مختار اشرف اشرفی جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ملتان تشریف لائے تو آپ نے ان کے دستِ اقدس پر بیعت کی۔ قیامِ ملتان کے دوران آپ نے انجمن اشاعت حق کے نام سے ایک جماعت بنائی آپ اس کے نائب صدر مقرر کیے گئے آپ کے ملتان کے ساتھیوں میں مفتی مصطفیٰ رضوی وغیرھم تھے۔

۲۳ جون ۱۹۵۸ء کو آپ کے والدِ ماجد مفتی آگرہ کا ملتان میں انتقال ہوگیا اور وہیں حسن پروانہ قبرستان میں مدفون ہوئے۔ والدہ کی عدت گزر جانے کے بعد تمام گھر والوں کو لے کر کراچی آگئے اور یہاں آکر ۱۹۵۹ء میں حضرت شیخ الحدیث علامہ عبد المصطفیٰ ازہری رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث پڑھا جس کا امتحان مفسر اعظم ہند نبیرۂ اعلیٰ حضرت علامہ ابراہیم رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے لیا اور آپ کے

بارے میں علامہ ازھری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ ان کو اپنے ہاں مدرس رکھو۔ چنانچہ آپ دارالعلوم امجدیہ ہی میں مدرس رکھ لیے گئے۔ کچھ عرصے بعد اپنے استاد علامہ ازہری کی اجازت سے انجمن اسلامیہ اسکول، لیاقت آباد میں عربی و اسلامیات میں استاد کے منصب پر فائز ہوئے اور ۱۹۶۰ تا ۱۹۶۴ء چار سال وہاں ملازمت کی۔ ۱۹۶۴ء میں جب دارالعلوم امجدیہ کی تعمیر نو ہوئی تو آپ علامہ ازہری کے حکم پر سکول کی ملازمت چھوڑ کر دارالعلوم امجدیہ آگئے اور وہاں ناظم تعلیمات، ناظم اعلیٰ، نائب مہتمم اور ٹرسٹی رہے اور ۱۹۹۲ء میں از خود ہی ان تمام ذمے داریوں سے مستعفی ہو گئے۔

اسی دوران آپ جمعیتِ علماے پاکستان کے لیے بھی کام کرتے رہے۔ چونکہ آپ پیر کالونی میں رہائش پذیر تھے اور صدرِ جمعیت حضرت علامہ عبد الحامد بدایونی بھی پیر کالونی میں سکونت پذیر تھے بلکہ آپ کے مقتدی تھے اس لیے ان سے نیاز مندی کا رشتہ بھی تھا۔ ایوبی مارشل لا میں جب سیاسی تناظیم پر پابندی عائد کی گئی تو اس وقت انجمنِ تبلیغ اسلام بنائی گئی جس میں آپ نے فعال کردار ادا کیا اور پھر ۱۹۶۷ میں صدرِ جمعیت حضرت علامہ عبد الحامد بدایونی سے چند اصولی اختلافات ہوئے اور آپ کے احباب (جن میں قائدِ اہلسنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی، شیخ الحدیث علامہ عبد المصطفیٰ ازہری، مفتی سید شجاعت علی قادری، علامہ سید سعادت علی قادری وغیرھم تھے) نے مل کر مکرانی مسجد جہاں آپ امام و خطیب تھے اسی کے حجرے میں جماعت اہلِ سنت قائم کی۔ اور آپ اس کے پہلے جوائنٹ سیکریٹری مقرر ہوئے۔

۱۹۷۰ء میں جب اکابرین اہلسنت خصوصاً حضرت علامہ مفتی سید ابو البرکات احمد شاہ قادری نے اہلِ سنت کی ناگفتہ بہ صورت حال اور جمعیت علماے پاکستان کی تقسیم در تقسیم کے خاتمے کے لیے حزب الاحناف لاہور میں اجلاس طلب فرمایا تو آپ بھی اس میں شریک ہوئے اور نظامت کے فرائض سر انجام دیے۔ اس اجلاس میں ملکی سیاست میں بھرپور حصہ لینے کا اعلان کیا گیا تو آپ بھی وادیِ سیاست میں عملاً وارد ہوئے اور ۷۰-۱۹۷۷ء کے الیکشن میں حلقۂ لانڈھی کورنگی سے صوبائی اسمبلی کا الیکشن لڑا تو بھرپور کامیابی حاصل کی، آپ کو ۱۹۷۰ء میں جمعیت علماے پاکستان صوبۂ سندھ کا نائب ناظم، مرکزی عاملہ و شوریٰ کا رکن اور صوبائی پارلیمانی بورڈ کا ممبر مقرر کیا گیا۔

آپ نے اسمبلی کی ممبر شپ میں بھرپور کردار ادا کیا آپ ۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۴ء کراچی کے ناظم اعلیٰ بھی رہے۔ مگر آپ کا طریقۂ کار یہ ہوتا کہ صبح دارالعلوم امجدیہ میں تدریس، دوپہر کو اسمبلی کے اجلاس میں شرکت اور شام سے رات گئے تک تنظیمی امور کو سر انجام دینا اس دوران ۱۹۷۳ء میں جب پیپلز پارٹی کی حکومت کے خلاف تحریکِ جمہوریت چلی تو آپ نے بھرپور حصہ لیا اور اس جرم کی پاداش میں تقریباً ۲ ماہ کراچی سنٹرل جیل میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ۱۹۷۴ سے ۱۹۸۲ء تک آپ JUP سندھ کے ناظم اعلیٰ رہے۔ ۱۹۷۴ء کی تحریکِ ختم نبوت میں آپ نے قائدِ اہلِ سنت کے ہمراہ نہ صرف سندھ بلکہ پنجاب، سرحد اور بلوچستان میں جلسوں سے خطاب کیا۔

جمعیت علماے پاکستان کی تاریخ میں خانیوال

کنونشن ایک کلیدی حیثیت رکھتا ہے جس میں جمعیت علمائے پاکستان کا تنظیمی دستور مسلسل ۱۷ گھنٹے کی بحث کے بعد منظور کیا گیا۔ اس دستور کو آپ نے مرتب کیا تھا اور آپ ہی نے پیش کیا۔

۱۹۷۷ء میں پاکستان قومی اتحاد کا قیام عمل میں آیا تو آپ نے جے یو پی کی طرف سے قومی اتحاد کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کا الیکشن لڑا بڑا اور تمام تر دھاندلیوں کے باوجود واضح اکثریت سے کامیابی حاصل کی مگر جب اس کے بعد تحریکِ نظامِ مصطفیٰ چلی تو آپ نے اتحاد کے فیصلے کے مطابق اسمبلی سے استعفیٰ دے دیا اور تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور اس سلسلے میں آپ کو بھی دیگر قائدین کی طرح گرفتار کرلیا گیا اور آپ کو سکھر جیل میں بھیجا گیا جہاں آپ تقریباً ۳ ماہ قید میں رہے۔

۱۹۷۸ء میں کل پاکستان سنی کانفرنس ملتان کے موقع پر غزالیِ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی کو صدر اور آپ کو مرکزی نائب صدر مقرر کیا گیا جس پر آپ ۱۹۸۶ء تک متمکن رہے۔ ۱۹۸۳ء میں لاہور میں آپ کی زیرِ قیادت ایک دستور ساز کمیٹی تشکیل دی گئی تو آپ نے چند ہی ایام میں جماعتِ اہلِ سنت کا دستور مرتب فرما کر مرکزی ناظمِ اعلیٰ حضرت علامہ مفتی مختار احمد نعیمی کو بھیج دیا۔ آپ تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان کے عرصۂ دراز تک امتحانی بورڈ کے رکن مساوی میٹرک و انٹر کے انچارج اور صوبۂ سندھ کے ناظم بھی رہے۔

۱۹۸۹ء میں آپ کو آپ کے پیر و مرشد حضرت قبلہ پیر سید مختار اشرفی جیلانی زیب سجادہ آستانۂ عالیہ کچھوچھہ شریف نے تمام سلاسل کی خلافت عطا فرمائی۔

۱۹۹۲ء میں آپ جماعتِ اہلسنت، جمعیت علمائے پاکستان، تنظیم المدارس اور دارالعلوم امجدیہ کی طرف سے سپرد کردہ تمام ذمے داریوں سے از خود سبک دوش ہوگئے۔ آپ نے JUP سے رکنیت کی حد تک تعلق رکھا مگر قائدِ اہلِ سنّت نے آپ کو تاحیات مرکزی مجلس عاملہ و شوریٰ کا ممبر نامزد کردیا۔ یوں آپ تا دمِ واپس جمعیت کے ممبر مجلس عاملہ تھے آپ فرماتے تھے کہ جمعیت علمائے پاکستان میں شمولیت میں نے خود ہی اختیار کی تھی لہٰذا اب میں اسے نہیں چھوڑ سکتا جبکہ باقی عہدے مجھے خود بخود مل گئے تھے اس لیے میں نے انہیں چھوڑ دیا دوسرا یہ کہ میں نے جس کو ایک مرتبہ اپنا لیڈر مان لیا تو مان لیا اس لیے قائدِ اہلِ سنت نورانی میاں کے علاوہ اب میں کسی اور کو لیڈر اور اپنا قائد نہیں مان سکتا۔

آپ اکثر فرماتے تھے کہ ضیا دور میں جب جمعیت انتشار کا شکار ہوئی تو مجھ پر بھی ترغیب و تحریص کی بارش شروع ہوگئی حتیٰ کہ مجھے اپنے بڑوں کی طرف سے حکم بھی ملا مگر میں نے جمعیت کو چھوڑنے اور اپنے قائد سے بے وفائی کرنے سے انکار کردیا اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آپ کے قائدِ اہلِ سنت کے ساتھ تعلقات انتہائی بے تکلفانہ اور برادرانہ تھے۔ آپ خود فرماتے تھے کہ یہ صحیح ہے کہ میں اور نورانی میاں بچپن کے دوست اور کلاس فیلو ہیں مگر جب میں نے ان کو لیڈر مان لیا تو اب وہ میرے لیڈر ہیں اور میں ان کا کارکن ہوں۔

اسی لیے جب بھی آپ کو عارضی طور پر کوئی ذمے داری دی جاتی تو آپ اس کو قبول کرتے اور بہ حسن و خوبی انجام دینے کی کوشش کرتے جیسا کہ بلدیاتی الیکشن ۲۰۰۱ء میں کراچی کی ذمے داریاں آپ کو دی گئی جسے آپ نے بڑی خوب صورتی سے نبھایا۔ اسی طرح وقتاً فوقتاً

قائدِ اہلِ سنت سے ملاقات کے لیے آپ جاتے اور کبھی قائدِ اہلِ سنت آپ سے ملاقات کے لیے تشریف لاتے۔ خصوصاً رمضان المبارک کے آخری عشرے میں رات کو ایک طویل ملاقات حضرت قائدِ اہلِ سنت کے دولت کدے پر ضرور ہوتی۔ جس میں آپ اور حضرت قائدِ اہلِ سنت کے علاوہ کوئی موجود نہ ہوتا مگر اس فقیر کو یہ شرف حاصل رہا ہے کہ وہ ایسی کئی ملاقاتوں میں حاضر رہا۔

حضرت استاذ العلما کے اہلِ سنت کے تمام ہی افراد اور گروہوں سے نہایت اچھے تعلقات تھے جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے متعدد بار آپ نے اہلِ سنت کے تمام افراد و گروہوں میں اتحاد کی کوششیں کیں مگر ہر بار اس میں کوئی نہ کوئی رکاوٹ آتی گئی جس کی وجہ سے آپ کی کوششیں کارگر ثابت نہ ہو سکیں۔

۱۹۹۲ء کے بعد آپ نے جامع مسجد مدنی، گلشن اقبال بلاک ۵، کراچی کا مکمل انتظام و انصرام سنبھالا اور ساتھ ہی وہاں جامعہ انوار القرآن کے نام سے ایک مدرسے کی بنیاد ڈالی جو کہ آپ کی محنت، تعلیم و تربیت اور حسن انتظام کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

حضرت استاذ محترم کی پوری زندگی مسلسل، عزم و ہمت اور رعب و دبدبے سے بھرپور تھی۔ آپ نے اپنی پوری زندگی کسی کے بل بوتے اور اپنے آبا واجدا کے نام پر نہیں بلکہ خود گزاری۔ آپ کو ملنے والے تمام مناصب اور عہدے صرف اور صرف آپ کے خلوص اور قابلیت پر ملے اور پھر آپ نے ان تمام کاموں سے انصاف بھی کیا۔ یہ آپ کا خلوص ہی تھا کہ آپ نے تمام مناصب و عہدے خود سے چھوڑے اور آپ کے استعفیٰ دینے کے بعد بھی کئی مرتبہ آپ کو ان عہدوں کی باقاعدہ پیشکش ہوئی مگر آپ نے انھیں قبول کرنے سے انکار کر دیا آپ فرماتے تھے کہ میں اب صرف پڑھانا ہی چاہتا ہوں اور جب تک مجھ میں دم ہے میں پڑھاتا ہی رہوں گا۔

یہ فقیر ۱۹۹۲ء سے تا وقتِ وصال مسلسل آپ کی خدمت میں رہا مگر اس نے آپ کو مدرسے کا ایک نوالہ بھی کھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ مدرسے کے مختارِ کل تھے مگر صرف اور صرف ماہانہ وظیفے کے علاوہ کچھ بھی وصول نہ فرماتے یہی وجہ ہے کہ وقتِ وصال نہ آپ نے کوئی جائیداد چھوڑی نہ بینک بیلنس بلکہ جس فلیٹ میں آپ رہائش پذیر تھے وہ بھی آپ کے صاحبزادے کا ہے۔

حیاتِ مستعار کے آخری حصّے میں کئی عوارضات آپ کے ساتھ لاحق ہو گئے تھے، بلڈ پریشر، شوگر، گھٹنوں میں درد، آنکھوں کے آپریشن کے ساتھ ساتھ مستقل بخار کی کیفیت نے آپ کو کافی مضمحل کر دیا تھا اور بالآخر ۷۸ سال کی عمر میں ۱۱ جون بروز جمعرات شام سوا سات بجے کل تین دن ہاسپٹل میں رہنے کے بعد آپ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی نمازِ جنازہ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے عزیز شاگرد اور آپ کی قائم کردہ جامع مسجد مدنی کے خطیب اور آپ کے بعد جامعہ انوار القرآن و جامع مسجد مدنی کے سرپرست حضرت علامہ رضوان نقشبندی صاحب نے پڑھائی۔ آپ کو جامع مسجد مدنی کے احاطے میں سپردِ خاک کیا گیا۔ آپ نے پس ماندگان میں دو بیٹے، دو بیٹیاں اور ایک بیوہ کے علاوہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہزاروں شاگرد، لاتعداد کارکنان اور بے شمار چاہنے والے چھوڑے۔

☆☆☆☆☆☆

انٹرویو: مولانا محمد تمجید نعمان امجدی

تاریخی انٹرویو

حضرت علامہ مولانا حلیم احمد اشرفی رحمۃ اللہ علیہ

(سابق مدرس، دارالعلوم امجدیہ، کراچی)

ترتیب و پیشکش: محمد ذوالقرنین قادری امجدی، محمد شمس الزمان، محمد افضل امجدی

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو کرامت کا تاج پہنایا قسم قسم کی نعمتوں سے نوازا بایں ہمہ مختلف زبانوں میں اس کی رشد و ہدایت کے لیے انبیاو رسل کو مبعوث فرمایا حتیٰ کہ بیک وقت کئی انبیاے کرام کو بھی بھیجا جیسا کہ حاشیہ صاوی میں ہے کہا انھم قتلوا اسبعین نبیا فی یوم واحد واقاسوقھم اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ نبی آخر الزمان ﷺ تشریف لائے آپ پر نبوت ختم کردی گئی ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وقال لا نبی بعدی اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آسکتا (رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو وہ امتی بننے کا شرف حاصل کرینگے) اب تبلیغ قرآن و سنت کا عظیم فریضہ علماے کرام کے ذمے ہے کہ یہ حضرات لوگوں کو ضلالت و گمراہی سے نکال کر نورِ معرفت سے مزین و آراستہ فرمائیں۔ فلہٰذا علماے امتِ محمد یہ اپنی استعداد کے مطابق ایک عالم کو فیضیاب کرتے رہے اور انشاء اللہ تا قیامت کرتے رہیں گے حضور ﷺ کے فرمان علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل میں اسی طرف اشارہ ہے۔ انھیں نفوسِ قدسیہ میں سے ایک حضرت العلام گرامی قدر جناب حلیم احمد اشرفی زید مجدہ ہیں۔ حضرت موصوف صدر الافاضل بدر الماثل علامہ حکیم سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ کے اجلا تلامذہ میں سے ہیں۔ انتہائی پاکباز خوش خلق خوبرو درویشانہ صفت علیم و حلیم ہونے کے ساتھ ساتھ کئی ایک خوبیوں کے حامل ہیں۔

اکابرین اہلسنت سے شرف زیارت و ملاقات سے مشرف ہونے کے ساتھ ساتھ بہتوں سے اکتساب فیض بھی کیا ہے ایک عرصہ دراز سے دارالعلوم امجدیہ میں تدریس کے فرائض انجام دیتے ہوئے جید علماے کرام کی ایک جماعت تیار فرمائی جن میں سر فہرست حضرت علامہ ندیم قادری، حضرت علامہ نثار احمد صابری امجدی ہیں۔ چند مہینوں سے علیل ہونے کی وجہ سے مدرسے میں تشریف لانے سے قاصر ہیں۔ مناسب سمجھا گیا کہ حضرت کی زندگی مبارک کے بارے میں قارئین کرام کو کچھ معلومات فراہم کی جائیں فلہٰذا ہم (مرتبین) نے چند ایک سوالات تحریر کرکے ایک نمائندہ (محمد تمجید نعمان) کو مقرر کیا جنہوں نے حضرت کے مسکن پر جاکر انتہائی لگن و شوق سے جوابات حاصل کیے اور ہمارے معاون و مددگار بنے۔ امید ہے کہ قارئین کرام مستفیض ہوں گے۔

عرض: حضور آپ کا پورا اسم شریف؟

ارشاد: حلیم احمد اشرفی نعیمی۔

عرض: والد صاحب کا اسم شریف؟

ارشاد: ابو الھدیٰ مولانا محمد عظیم اللہ صاحب علیمی رشیدی اشرفی المتوفی ۱۹۴۸ء۔

عرض: حضور، آپ کی پیدائش کس سن میں اور کہاں ہوئی؟

ارشاد: میں شعبان المعظم ۱۳۴۰ھ میں سید پورہ

ضلع بلیلا، صوبہ یوپی، ہندوستان میں پیدا ہوا۔

عرض: حضرت، طلبہ و مدرسین ''نانا'' حضور کیوں کہتے ہیں؟

ارشاد: قاری رضاء المصطفیٰ کی والدہ ہماری خالہ زاد بہن تھی۔ محدثِ کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ، شیخ الحدیث علامہ ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بھائی کی والدہ ہماری بھتیجی تھیں۔ علامہ ارشد القادری ہمارے برادر زادہ بھتیجے تھے۔ علامہ عبد المصطفیٰ ازھری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اصحاب ہمیں نانا جی کہتے تھے تو اسی وجہ سے ہمیں اب بھی نانا حضور کہا جاتا ہے۔

عرض: استاذِ مکرم، آپ کے مرشدِ گرامی کا اسم شریف کیا ہے اور کس سلسلے سے ہیں اور حضرت آسی سے آپکا کیا تعلق ہے؟

ارشاد: ہمارے مرشد کا نامِ نامی اسم گرامی اعلیٰ حضرت شیخ المشائخ سید شاہ علی حسین الاشرفی رحمۃ اللہ علیہ ہے جو حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ العزیز کی خانقاہ کے سجادہ نشین تھے۔ مولانا مفتی وقار الدین علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ علمائے کرام میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسا کوئی خوش رو اور خوش جمال کوئی نہیں تھا اور صوفیائے کرام میں حضرت سید شاہ علی حسین جیسا کوئی خوش رو اور خوش جمال نہیں تھا۔ حضرت کو آل اور آئینہ جمال کہتے تھے صوفیائے کرام حضرت کو شبیہ غوثِ اعظم اور ہم شکل کہتے تھے نانا جی حضرت سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہوئے۔ حضرت آسی سے میرا تعلق یہ تھا کہ ہمارے خاندان کے سب لوگ بلکہ ہمارے گاؤں کے اکثر لوگ بلکہ جونپور سے لے کر غازی پور تک اکثر حضرات سلسلۂ رشیدیہ میں مرید تھے۔ میرے والد بھی علیمی رشیدی تھے خاندان کے پیر تھے۔

عرض: حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ اور محدثِ کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ زید مجدہ سے آپ کا کوئی رشتہ ہے؟

ارشاد: علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ میرے برادر زادہ بھتیجے تھے اور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ کی والدہ ہماری بھتیجی تھیں۔

عرض: قبلہ آپ پاکستان کیسے آئے اور مفتی محمد ظفر علی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی وقار الدین رحمۃ اللہ علیہ سے کب اور کیسے ملاقات ہوئی؟

ارشاد: ۱۹۴۷ء میں پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ ۱۹۴۸ء میں مشرقی پاکستان گیا ۱۹۵۰ء میں ترکِ وطن کر کے والدہ وغیرھا کو لے کر مشرقی پاکستان مستقلاً چلا گیا۔ مفتی محمد ظفر علی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (بانی دار العلوم امجدیہ) کا گھر اور وطن اور میرا گھر اور وطن ایک ہی جگہ ہے۔ بچپن میں تعلیم کے سلسلے میں تعلیم کے سلسلے میں اکثر ساتھ رہے یہاں تک کہ مفتی محمد ظفر علی نعمانی صاحب اور غلام آسی نے ابتدائی کتابیں ہمارے والدِ ماجد سے پڑھیں۔ متوسطات تک آتے آتے میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد چلا گیا اور مفتی صاحب مدرسہ مصباح العلوم اشرفیہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ چلے گئے۔ مفتی صاحب کی دستار بندی اور میری دستار بندی تقریباً ایک ہی سال میں اپنے اپنے مدرسے میں ہوئی۔ مفتی محمد وقار الدین رحمۃ اللہ علیہ کو میں زمانۂ طالب علمی ہی سے جانتا تھا اس لیے کہ بریلی شریف مراد آباد کے قریب ہی ہے لیکن کبھی زیارت نہیں ہوئی تھی، ذاتی تعارف نہ تھا۔ پھر ۱۹۵۴ء میں رنگ پور مشرقی پاکستان جہاں مفتی محمد وقار الدین رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں نے جلسۂ سیرت میں مفتی محمد وقار الدین صاحب کو بلایا اس موقع پر مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی لیکن ذاتی تعارف پھر بھی نہ ہوا۔

عرض: دارالعلوم امجدیہ میں مسندِ تدریس پر فائز ہیں کیسے فائز ہوئے اور کب؟

ارشاد: دارالعلوم امجدیہ میں ۱۹۸۵ء میں اولاً دارالافتاء میں کاتب کی حیثیت سے آیا اور چند کتابوں کی تدریس بھی شروع کی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

عرض: قبلہ نانا حضور آپ نے درس نظامی کی تعلیم کہاں حاصل کی؟

ارشاد: میں نے فارسی کی منتہی کتابیں اپنے والدِ ماجد سے پڑھیں اور شرح جامی تک والدِ محترم سے پڑھیں اور بعد میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں درسِ نظامی کی تکمیل کی اور جامعہ نعیمیہ سے ہی سندِ فراغت حاصل کی اور سیدی صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پانچ سال گزارے۔

عرض: حضرت آپ نے اکابرین میں سے کن کن کی زیارت کی اور شرفِ تلمذ حاصل کیا؟

ارشاد: میں نے تقریباً تمام اکابرین کی زیارت کی مثلاً مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں صاحب، محدثِ اعظم ہند سید محمد محدثِ کچھوچھوی، صدر الافاضل مفتی محمد نعیم الدین مراد آبادی، مولانا حبیب الرحمٰن، مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی، مولانا اجمل خاں صاحب، مولانا آل حسن صاحب، صاحبِ بہارِ شریعت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، مصنف قانونِ شریعت مولانا قاضی شمس الدین علیہم الرحمۃ والرضوان اور دیگر حضراتِ گرامی کی دست بوسی کا موقع تو مجھے ملا لیکن تعلیم کا سلسلہ صرف جامعہ نعیمیہ مراد آباد اور والد ماجد تک ہی محدود رہا۔

عرض: جناب آپ ماشاء اللہ فارسی پر عبور رکھتے ہیں؟

ارشاد: میں نے بچپن میں والدِ ماجد سے یوسف زلیخا، سکندر نامہ، بہارِ دانش اور انشاء خلیفہ (جو کہ فارسی کی منتہی کتابیں ہیں) پڑھی تھیں۔ یہ سب کچھ والد صاحب کی توجہ اور محنت کا نتیجہ ہے۔

عرض: قبلہ نانا حضور، کیا آپ کے والدِ گرامی کو بھی فارسی ادب پر مہارت تھی؟

ارشاد: ہمارے والدِ ماجد کی کہانی عجب فکر انگیز ہے۔ والدِ ماجد کے بچپن میں ہی ہمارے دادا کا انتقال ہو گیا اس لیے پڑھائی لکھائی کا کوئی معقول انتظام نہ ہو سکا۔ والد صاحب نے کسی مدرسے میں یا کسی استاد کے سامنے زانوے تلمذ طے نہیں کیا بلکہ ذاتی محنت اور کاوش سے مطالعۂ کتب کرتے رہے اور یوں اتنی استعداد پیدا کر لی کہ ہمارے بڑے بھائی مولانا عزیز اللہ صاحب اور مولانا علیم اللہ صاحب اور مجھے فارسی کی منتہی کتابیں یوسف زلیخا، سکندر نامہ، بہار دانش اور انشاء خلیفہ پڑھائی اور عربی کی ابتدائی کتابیں کافیہ اور شرح جامی تک پڑھائیں۔ صحیح یہ ہے کہ ہمارے والدِ ماجد کا علم خداداد علم تھا۔ والدِ محترم ایسی خوش الحانی سے مثنوی شریف پڑھتے تھے کہ ان کے جلسوں میں مثنوی سننے کے لیے دور دور سے لوگ کثرت سے آتے تھے۔

عرض: حضور، آپ فارسی زبان کی افادیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

ارشاد: زبانِ فارسی مخزن علوم واسرار ہے۔ حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف فارسی زبان میں ہیں۔ مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ کی مشہورِ عالم کتاب مثنوی فارسی زبان میں ہے۔ مخدوم شریف الدین یحیٰ کی کتاب فارسی میں ہے۔ حضرت شاہ (سلطان) باہو کی کتاب فارسی میں ہے۔ شرق الاوسط کے مسلمان ملکوں کی زبان فارسی

ہے۔ کراچی کی نیشنل لائبریری کی کتابوں میں اکثر و بیشتر کتابیں فارسی زبان میں ہیں۔ اردو زبان بہتر اور پڑھے لکھے لوگوں کی زبان اور آراستہ و پیراستہ ہو ہی نہیں سکتی جب تک وہ فارسی زبان نہیں جانتا۔ انگریزوں کے دور میں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بڑے اعلیٰ پیمانوں پر فارسی کی تعلیم دی جاتی تھی آج بھی حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب گلستان سعدی جس کو شہرتِ عام حاصل ہے یورپین زبانوں میں جس کا ترجمہ ہو چکا ہے اس کتاب گلستان سے استفادہ زبان فارسی کے حصول کے بعد ممکن ہے۔

عرض: فارسی زبان کی کتابوں کو بعض لوگ ضروری نہیں سمجھتے اور ان کو درسِ نظامی کی کتابوں سے نکالنا چاہتے ہیں۔ آپ اس بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

ارشاد: دوسرے حضرات کے خیالات کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ اس کے بجائے جو کچھ جدید علوم پڑھانے کا دعویٰ آپ کرتے ہیں کہ انگریزی ریاضی حساب پڑھائیں گے تو ریاضی اور حساب کا جاننا تو ہر دور میں ضروری تھا اور اب بھی ہے اور یہ علومِ جدیدہ نہیں بلکہ قدیمہ ہیں۔ عربی مدارس والے جو کہ عربی اور انگریزی ہی کو علومِ جدیدہ کہتے ہیں اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

عرض: حضرت استاذِ مکرم، آپ کتنے عرصے سے درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ ہیں؟ آپ نے کیا محسوس کیا کہ لوگوں کا رجحان دین کی طرف زیادہ ہے یا نہیں اور طالبِ علم کس نظریے سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں؟

ارشاد: عام مسلمان فی نفسہٖ دین پسند ہیں لیکن مغربی اقوام کے تہذیبی اور بے دین افکار کے پروپیگنڈے نے دین کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق کو کمزور کر دیا مسلمان دینی خیالات کے اظہار میں بڑا زور و شور دکھا رہے ہیں لیکن عملی حیثیت سے کمزور ہیں دینی عربی مدارس کی تعداد تو بہت ہے۔ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں طلبہ ہیں لیکن علومِ دینیہ شرعیہ کے حاصل کرنے والے آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ میرے خیال میں اکثر غریبوں کے لڑکے دینی عربی مدارس میں پڑھنے آتے ہیں۔ یہ ان کے نزدیک وقت گزاری اور پرورش کا ذریعہ ہوتا ہے۔ مدرسے میں آنے کے بعد پیسہ کمانے کے چکر میں لگ جاتے ہیں۔ تعلیم کے اوقات صرف پانچ گھنٹے ہیں اس کے بعد لڑکے بالکل آزاد ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی نگراں یا محاسب نہیں ہوتا اس لیے اکثر لڑکے اپنی راہ خود منتخب کر لیتے ہیں۔

عرض: درسِ نظامی کا مختصر فائدہ بیان فرمائیں؟

ارشاد: درسِ نظامی کو دل لگا کر محنت سے پڑھنے والا اپنی دنیا بھی سنوار لیتا ہے اور آخرت بھی۔

عرض: قبلہ استادِ گرامی، آپ تحریکِ پاکستان کے بارے میں کیا جانتے ہیں اور آپ نے اس تحریک میں کیا کام کیا؟

ارشاد: تحریکِ پاکستان میں میں نے عملاً حصہ لیا اور تحریکِ پاکستان کی کامیابی کی بہت کوشش کی۔ اس سلسلے میں بہت سی تکالیف اور مصیبتیں برداشت کیں۔ میں نے تحریکِ پاکستان کو ہندی مسلمانوں کے مصائب کا علاج سمجھ کر حصہ لیا۔ اس سلسلے میں صرف ایک مصیبت کا ذکر کروں گا۔ ۱۹۴۶ء سے پہلے کی بات ہے کہ مسلمانوں پر حملے شروع ہو چکے تھے۔ ریل گاڑیوں میں مسلمانوں پر حملے ہو رہے تھے۔ اسی دوران ہندوستان کے ایک شہر بھاگل پور سے ہم اور سکندر پور کی ایک فیملی اپنے شہر بلیا آرہے تھے۔ اسی اثنا میں کالج کے چند لڑکے ہمارے ڈپارٹمنٹ میں گھس آئے۔ ہمارے ساتھ چند مستورات بھی تھیں۔

ان میں لڑکیاں بھی تھیں۔ ان کے کان میں بالیاں نہیں تھیں۔ عام طور پر ہمارے علاقے یو۔پی، بہار اور پنجاب کی مسلمان مستورات کانوں میں بالیاں اور آویزے استعمال کیا کرتی تھیں لیکن بنگال کی عورت خواہ وہ مسلمان ہو یا ہندو وہ بالیاں استعمال نہیں کیا کرتی تھی۔ ہمارے ساتھ جو لڑکیاں تھیں ان کے کان بالیوں سے خالی تھے۔ ان لڑکوں نے لڑکیوں کی طرف اشارہ کرکے کہنا شروع کردیا کہ یہ ہندو لڑکیاں ہیں تم لوگ انھیں اغوا کرکے لے جارہے ہو۔ یہ سن کر ہم مردوں کا سر چکرا گیا۔ ہم نے دل ہی دل میں حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کو پکارنا شروع کردیا۔ وہ ڈپارٹمنٹ جس میں ہندو مسافر بھرے ہوئے تھے اگر کالج کے ان لڑکوں کی آواز پر کھڑے ہوجاتے تو ہم سب مارے جاتے۔ اور لڑکیاں بھی غائب ہوجاتیں لیکن بقول شخصے

دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تراست
رسیدہ بود بلائے ولے بمیز گزشت

کالج کے شری لڑکے اتر گئے۔ پھر ہم لوگوں کی جان میں جان آئی یہ سب حضرت آسی کی دستگیری تھی کیونکہ یہ فیملی جو کہ ہمارے ساتھ تھی سکندرپور کی رہنے والی تھی اور حضرت آسی کا مسکن بھی سکندرپور تھا۔

عرض: شیر بیشۂ اہلِ سنت حضرت العلام مناظرِ اسلام علامہ حشمت علی خاں رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کی ملاقات ہوئی ہے؟ ان کے بارے میں کچھ بتایئے؟

ارشاد: مسلم لیگ کا ساتھ دینے کا مسئلہ جب ہمارے علمائے کرام کے درمیان زیر بحث آیا تو حضرت شیر بیشۂ اہلِ سنت علامہ حشمت علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے بڑا اختلاف کیا اور بڑے شدومد سے اس کی مخالفت شروع کی۔ میں اس زمانے میں کلکتہ میں تھا اور شیر بیشۂ اہلِ سنت اپنے تبلیغی دورے کے سلسلے میں کلکتہ کے قریب ایک شہر میں آئے ہوئے تھے مولوی شمس الحق صاحب نے ان کے واسطے جلسہ کا انتظام کیا میں بھی اس جلسے میں گیا۔ ان کی تقریر سنی اور زیارت کی، مصافحہ کیا اور کوئی ذاتی تعلق نہ تھا ویسے ان کے تبلیغی معمولات سے میں واقف تھا۔ بمبئی میں ان کی تقریر اکثر ہوا کرتی تھی، ان کی تقریر کیا ہوتی گویا وہابیہ پر برق باری ہوتی۔ دیوبندیوں نے تنگ آکر ان کی تقریر پر حاکم شہر سے پابندی لگوادی۔ تقریر کا سلسلہ تو بند ہوگیا لیکن اہلِ سنت کے نکتہ سنج وکلا نے ایک نئی راہ پیدا کرلی کہ تقریر تو ممنوع ہے لیکن دعا تو نہیں۔ اب مولانا کی دعائیہ مجلسوں کا سلسلہ شروع ہوگیا اور ان کی دعائیہ تقریروں میں اور زیادہ شدت پیدا ہوگئی۔ وہابی دیوبندی چیخ پڑے، بلبلا اٹھے اور انہوں نے خود حاکم شہر سے درخواست کی اور تقریر کی ممانعت واپس لے لی تو یوں مولانا اپنے حسب دستور مشاغل میں مصروف ہوگئے۔ مسلم لیگ کی مخالفت کے سلسلے میں مولانا کی تقریریں میرے گلے نہ اتریں۔

عرض: صدر الافاضل مفتی حکیم حافظ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ نے مسلک میں پختگی کے اعتبار سے کیسا پایا؟ ان کے درس کا طریقہ کیا تھا اور اعلیٰ حضرت کا تذکرہ وہ کیسے کرتے تھے؟

ارشاد: صدر الافاضل حکیم حافظ مفتی سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے خلیفہ تھے اور اکثر و بیشتر اعلیٰ حضرت سے ملنے بریلی تشریف لے جایا کرتے۔ سیدی صدر الافاضل بے مثال سیاستداں تھے۔ مولانا محمد علی جوہر جو کہ خلافت کمیٹی کے لیڈر تھے مشاورت کے لیے حضرت صدر الافاضل کے پاس آیا کرتے تھے۔ جب میں مدرسہ جامعہ نعیمیہ میں پڑھنے کے لیے گیا اس وقت حضرت صدر الافاضل اعلیٰ حضرت کے ترجمۂ قرآن کنزالایمان پر تفسیر تحریر فرمارہے تھے اور درس کا سلسلہ موقوف تھا۔ صرف ایک مرتبہ جب میں

دورۂ حدیث میں تھا حضرت صدر الافاضل نے تفسیر بیضاوی کے دو چار سبق ہم لوگوں کو پڑھائے تھے۔ اس زمانے میں پہلے مولانا مفتی محمد عمر صاحب، اور مولانا محمد یونس صاحب، مولانا اجمل صاحب، مفتی احمد یار خاں صاحب کو ان کے وقتِ تعلیم میں پڑھایا کرتے تھے۔

عرض: پاکستان کے علاوہ بنگال وغیرہ میں آپ نے درس و تدریس کی خدمات سرانجام دی ہیں تو وہاں کے کسی طالبِ علم یا استاد کے بارے میں کچھ بتائیں گے؟

ارشاد: تقسیم ملک سے پہلے اور بعد کا دور مسلمانوں کے لیے بہت پریشانی اور افراتفری کا دور تھا۔ اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے ہوئے تھے۔ مستقبل غیر محفوظ تھا اسی بے سروسامانی کے عالم میں میں مشرقی پاکستان چلا گیا۔ وہاں نئی دنیا تھی، نئے لوگ تھے کسی سے شناسائی نہ تھی میرا گھر لٹا پٹا تھا۔ نہ رہنے کی جگہ نہ کوئی ذریعۂ معاش۔ لہٰذا اپنے آپ کو آباد کرنے کا مسئلہ اور روزی روزگار کا مسئلہ تھا۔ کوئی کارکن لڑکا نہ تھا۔ ہمارے چھوٹے بھائی نسیم احمد کا نوزائیدہ بیٹا مسعود مرتضیٰ (جو کہ دارالعلوم امجدیہ میں مدرس ہیں) ماں کی گود میں تھا۔ یہ سب مشکلات تھیں اور اس پر طرہ یہ ہوا کہ ۱۹۵۴ء میں چھوٹا بھائی نعیم احمد مخبوط الحواس ہو گیا یہ ایک نئی افتاد پڑ گئی۔ رنگ پور میں ہم نے اپنے آپ کو بالکل گمنام رکھا۔ لوگ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ یہ پڑھا لکھا مولوی ہے۔ درس و تدریس تو بہت دور کی بات ہے۔ ہاں ایک واقعہ جس کو میں اخروی نجات کا ذریعہ اور اپنی زندگی کا ماحصل سمجھتا ہوں شہر کے جس محلے میں میں رہتا تھا وہاں کی مسجد کے بنگالی امام نے اپنی تقریر میں کہا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے خاندان کے لوگ جہنم میں جائیں گے (معاذ اللہ)۔ اس کی تقریر سننے والوں میں ہندوستانی مہاجر مسلمان بھی تھے۔ ان کو اس کی تقریر سخت ناپسند آئی اور بڑا غصہ آیا کچھ لوگ ہمارے پاس آئے اور اسے بیان کیا میرا دل تڑپ اٹھا

اور کہا کہ حضور ﷺ کے والدین کریمین کی شان میں ایسی گستاخی اور بے ادبی۔ میں اس بنگالی مولوی کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ تو نے ایسی بے ادبی کے کلمات بکے ہیں۔ کہاں سے بول رہا ہے؟ کس دلیل سے بول رہا ہے؟ بولا مشکوٰۃ شریف کی حدیث میں ہے۔ میں نے کہا کہ تو حدیث کا مطلب بھی سمجھتا ہے مسلمانوں کا مجمع تھا۔ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ کل جمعہ کا دن ہے کل جمعہ کی نماز کے بعد آپ اس امام کا جواب دیں اس وقت حال یہ تھا کہ میرے پاس کوئی کتاب نہ تھی میں پریشان تھا کہ دلیل میں کون سی کتاب پیش کروں گا۔ وہاں ایک دیوبندی مولوی عبد الرحیم میرے پاس آیا کرتا تھا میں نے اس سے تذکرہ کیا سارا واقعہ بتایا کہ یہ امام حضور ﷺ کے والدین کے بارے میں ایسی گستاخی کرتا ہے تو مولوی عبد الرحیم نے کہا کہ دھولا پیر صاحب کی خانقاہ میں ہم چلیں۔ صاحب خانقاہ محمد اطیع احمد صحیح العقیدہ سنی اور کسی پنجابی پیر کے خلیفہ تھے ان کو میں نے سارا واقعہ بتایا وہ بھی غصے میں اٹھے۔ تھوڑی دیر کے بعد قرآنِ مجید اٹھا لائے۔ وہ قرآنِ مجید اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا کنزالایمان اور صدر الافاضل کی تفسیر خزائن العرفان والا تھا انھوں نے کھول کر انیسویں پارے کی سورۂ شعرا کی یہ آیت "الذی یراک حین تقوم وتقلبک فی السجدین" (جو تمھیں دیکھتا جب تم کھڑے ہوتے ہو اور نمازیوں میں تمھارے دورے کو "کنزالایمان"۔ (تفسیر خزائن العرفان) جب تم اپنے تہجد پڑھنے والے اصحاب کے احوال ملاحظہ فرمانے کے لیے شب کو دورہ کرتے ہو۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جب تم امام ہو کر نماز پڑھاتے ہو اور قیام، رکوع، سجود، قعود گزارتے ہو۔ بعض نے یہ لکھا ہے کہ وہ آپ کی گردشِ چشم کر دیکھتا ہے نمازوں میں کیونکہ نبی کریم ﷺ پس و پیش یکساں ملاحظہ فرماتے ہیں اور بعض مفسرین نے اس آیت میں ساجدین سے مومنین مراد لیے ہیں اور معنی یہ ہے کہ

زمانہ آدم وحوا علیہما السلام سے لے کر عبد اللہ و آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا تک مومنین کی اصلاب وارحام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوروں کو ملاحظہ فرماتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام سے لے کر عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا تک نسب کے سب مومن ہیں (مدارک جمل)) نکالی اور اس کے علاوہ مفتی احمد یار خاں نعیمی کی کتاب شان حبیب الرحمٰن ایک صاحب سے میں نے منگوائی تھی وہ کتاب لے کر آئے اور انہوں نے وہ مضمون جس میں آزر کا واقعہ تھا میرے سامنے رکھ دیا اس میں لکھا تھا کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نہ تھے بلکہ چچا تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدِ ماجد حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زندہ فرمایا اور مسلمان بنایا۔ اس موضوع پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب شمول الاسلام لآباء الرسول الکرام کا حوالہ بھی تھا یہ سب دیکھنے کے بعد میں نے تیاری کر لی کہ کل جمعہ کی نماز کے بعد اس گستاخ بے ادب مولوی کی خبر لینی ہے اور اس کا بخیہ ادھیڑنا ہے۔ لیکن اس سے پہلے ہی اس امام پر خدا کی مار پڑ گئی قدرت کیسے برداشت کرے کہ آقائے دو جہاں سیدِ انس وجاں حبیب الرحمٰن صلی اللہ علیہ وسلم کے والدینِ کریمین کی شان میں کوئی گستاخی کرے جب کہ حضرت موسیٰ کی والدہ کو قرآنِ پاک نے عالمین کی عورتوں کی سردار اور برگزیدہ قرار دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ کی شان میں کوئی بھی دریدہ دہنی کرے اور قدرت خاموش رہے ایسا نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ جمعہ کا وقت آنے سے پہلے ہی مسجد کے منتظمین نے اس گستاخ کو نکال باہر کیا۔ وہ ذلیل وخوار ہو کر نکالا گیا اور میرا حال یہ کہ

دیکھنے میں بھی گیا پر تماشا نہ ہوا

ہمارے والدین کو اگر کوئی برا بھلا کہے تو ہم برداشت نہیں کر سکتے مرنے مارنے پر اتر آتے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی شان میں ہم گستاخی کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔

﴿بہ شکریہ: سال نامہ "رفیقِ علم" کراچی، ۲۰۰۵ء﴾

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب کو عطائے خلافت و اجازت

ادارۂ ہٰذا کے جنرل سیکریٹری اور ماہنامہ "معارفِ رضا" کے مدیر پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب کو مورخہ ۱۲؍ جمادی الاخری ۱۴۳۰ھ بہ مطابق ۶؍ جون ۲۰۰۹ء ہفتہ کے دن معروف علمی و دینی شخصیت محترم المقام حضرت علامہ مولانا ابوالحسن سید مراتب علی شاہ صاحب مدظلہ العالی نے اپنی طرف سے سلسلۂ عالیہ چشتیہ، قادریہ نقشبندیہ، سہروردیہ تمام سلاسل میں بیعت کرنے کی اجازت اور جملہ اوراد و وظائف، تفسیر وحدیث وفقہ حنفی کی اجازت کے ساتھ ساتھ درسِ نظامی پڑھنے اور پڑھانے کی خصوصی اجازت مرحمت فرمائی۔ قارئینِ کرام کی خدمت میں اِس جگہ خلافت نامے کا متن لفظ بہ لفظ پیش کیا جارہا ہے۔ (ندیم احمد قادری نورانی)

عزیزم محترم فاضلِ نوجوان حضرت علامہ مولانا پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری کو جملہ اوراد و وظائف کی اجازت دی جاتی ہے۔ جیسے کہ مجھے میرے پیر طریقت رہبر شریعت، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ حافظ خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے جملہ اوراد و وظائف کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور موصوف کو بزرگانِ دین کے راستے پر گامزن رہنے کی توفیق دے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ فاضلِ موصوف مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے اور فراموش نہ فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو مسلکِ اہلِ سنت حنفی بریلوی پر قائم و دائم رکھے اور تمام علمائے حقہ کے فیوض و برکات سے ہمیں مالامال فرمائے آمین۔

فاضل موصوف کو سلسلۂ عالیہ چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ تمام سلاسلِ طیبہ میں بیعت کرنے کی خصوصی اجازت دی جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اجازتِ قرآن و حدیث اور اجازتِ فقہ حنفی بھی دی جاتی ہے۔ موصوف کو حدیث و تفسیر جملہ درسِ نظامی کو پڑھانے اور پڑھنے کی خصوصی اجازت ہے۔

حررہ ابوالحسن سید مراتب علی شاہ غفرلہ
سجادہ نشیں آستانۂ عالیہ سلحوق شریف، ضلع گوجرانوالہ۔

تین بزرگ علمائے اہلِ سنت!

مولانا ہدایت علی اشرفی
(امام وخطیب، جامع مسجد رضائے مصطفیٰ، منصور نگر مارکیٹ)

ڈاکٹر مفتی سر فراز نعیمی کی زندگی پر ایک نظر:

۱۶/ فروری ۱۹۴۸ء کو پیدا ہونے والے مفتی سر فراز نعیمی نے جامعہ ازہر (مصر) سے شہادتِ اولیٰ، دعوت الاسلامیہ کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے علاوہ انہوں نے جامعہ نعیمیہ، لاہور سے ہی درسِ نظامی مکمل کیا۔ ڈاکٹر سر فراز نعیمی نے یونیورسٹی آف پنجاب سے عربی زبان میں پی ایچ ڈی کرنے کے علاوہ اسلامک اسٹڈیز اور عربی میں ماسٹر کی ڈگری بھی حاصل کر رکھی تھی۔ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے ہی ایل ایل بی بھی مکمل کیا۔ اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ انہیں دین و دنیا کے مختلف علوم میں مکمل مہارت حاصل تھی۔ ڈاکٹر سر فراز نعیمی بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن سے گولڈ میڈل بھی لے چکے تھے جس سے اُن کی ذہانت کا بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مفتی سر فراز نعیمی، ناظم تنظیم المدارس اہلسنت (پاکستان)، جنرل سیکریٹری اتحاد تنظیم مدارس دینیہ اور ناظم دارالعلوم جامعہ نعیمیہ، لاہور کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مفتی سر فراز نعیمی نے اپنی زندگی میں دینِ اسلام کی اشاعت کی خاطر مختلف ممالک جیسے مصر، سعودی عرب، انڈیا، ایران، جنوبی افریقہ، برطانیہ سمیت بہت سے ممالک کا دورہ کیا۔ مفتی سر فراز نعیمی کے پس ماندگان میں ایک بیوہ، ایک بیٹا اور چار بیٹیاں شامل ہیں۔

ظالموں نے اپنی درندگی و دہشت گردی کے لیے چمنستانِ عالم کا وہ پھول چُنا جو اپنی مہک، خوب صورتی اور ظاہری و معنوی حُسن کے لحاظ سے پورے چمن کو نکھارتا تھا۔ ڈاکٹر سر فراز احمد نعیمی اپنے علم و فضل، تدبر و تفکر، فہم و فراست اور ایمان و تقویٰ کے لحاظ سے منفرد و ممتاز تھے۔ انہوں نے ہمیشہ اتحادِ اُمت کی بات کی۔ پوری اُمت کو متحد و منظم کرنے کے لیے سرگرمِ عمل رہے۔ جامعہ نعیمیہ ہمیشہ اُمت کے اِتحاد کی علامت رہا ہے۔ وہ ملک کی اُن چند شخصیات میں شامل تھے کہ جو سب کو اکٹھا اور متحد و متحرک کر سکتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے ہمیشہ اتحادِ امت کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔ قرار دادِ مقاصد کا معاملہ ہو یا تحریکِ ختمِ نبوت، تحریکِ نظامِ مصطفیٰ ہو یا شہری آزادیوں کے لیے چلائی جانے والی مہم، دینی مدارس کے تحفظ کی جنگ ہو یا سوشلزم، کمیونزم، سیکولرازم کی یلغار کے آگے بند باندھنے کا مرحلہ، علاقائیت و لسانیت کی بنیادوں پر امت کے اتحاد کو تباہ کرنے کی سازش کو ناکام بنانے کا مقدس فریضہ ہو یا انسدادِ فواحش و منکرات کی تحریک، حضرت مولانا مفتی محمد سر فراز نعیمی صاحب ہمیشہ سالارِ کارواں رہے۔ انہوں نے ہمیشہ معتدل و متوازن طرزِ فکر اپنایا اور کبھی بھی مسالک کی

بنیاد پر اختلافی فضا کو پروان نہ چڑھنے دیا۔ مفتی محمد سرفراز نعیمی علیہ الرحمہ اپنی اعتدال پسند شخصیت کی وجہ سے تمام مکاتبِ فکر کے لوگوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ مفتی سرفراز احمد نعیمی ایک جیّد عالمِ دین تھے جنہیں پاکستان میں امن کے داعی اور انسانیت سے محبت رکھنے والی شخصیت کے طور پر جانا جاتا تھا۔ اُن کو اہلسنّت مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والوں کے ساتھ ساتھ پاکستان کے دیگر مذہبی مکاتبِ فکر میں بھی احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اپنی آخری سانس تک ڈاکٹر سرفراز نعیمی کا یہی موقف تھا کہ اِسلام میں خود کش حملے حرام ہیں۔ اپنی پوری زندگی کے دوران احیائے اسلام کے لیے بے مثل جدوجہد کرنے والے ڈاکٹر سرفراز نعیمی کو دہشت گردی کا نشانہ بنانا انتہائی افسوس ناک ہے۔ ڈاکٹر سرفراز نعیمی بہت بڑے مذہبی اسکالر اور تمام مکاتبِ فکر کے لیے اتحاد کی علامت تھے۔ اُن کی شہادت سے تمام دینی حلقے ایک عظیم اسکالر اور مدبر سے محروم ہوگئے ہیں۔ آپ ایک نہایت دین دار انسان، ایک عظیم اُستاد، محبِّ وطن پاکستانی اور ہم سب کے لیے مینارۂ نور تھے۔ اُن کی شہادت سے پیدا ہونے والا خلا صدیوں تک پُر نہیں ہوسکے گا۔ مفتی سرفراز نعیمی نے ماضی میں پاکستان میں ہونے والے خود کش حملوں کو حرام قرار دینے کا فتویٰ بھی جاری کیا تھا اور اسی ادارے کے طلبہ سوات میں جاری آپریشن کے حق میں ریلیاں بھی نکالتے رہے ہیں۔ علما نے ڈاکٹر صاحب کی دینی و ملّی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایک نڈر، بے باک اور عظیم عالمِ دین تھے۔ انہوں نے استحکامِ پاکستان کے لیے بے مثال جدوجہد کی، تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ کے لیے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور جرات و استقامت اور قوتِ ایمانی کے ساتھ اپنے مشن کو جاری رکھا۔ وہ انتہائی متحرک، فعال اور مستعد شخصیت کے مالک تھے۔

> **ڈاکٹر سرفراز نعیمی کی شہادت پر ملک بھر میں سوگ**
>
> **جنازے میں ہزاروں افراد کی شرکت**
>
> **قومی اعزاز کے ساتھ سپردِ خاک**
>
> نمازِ جنازہ جمعۃ المبارک، ۱۹ر جمادی الاخریٰ ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۳ر جون ۲۰۰۹ء کو ناصر باغ، لاہور میں شام پانچ بج کر ۳۷ منٹ پر ادا کی گئی۔

(بہ حوالہ روزنامہ جنگ)

علامہ مفتی محمد حسن حقانی اشرفی رحمۃ اللہ علیہ:

جمعیت علمائے پاکستان کے مرکزی رہنما دارالعلوم انوار القرآن کے بانی و مہتمم اعلا، سابق ایم پی اے اور علامہ شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ کے دیرینہ رفیقِ کار و معتمدِ خاص مولانا محمد حسن حقانی اشرفی ۱۲ر جون ۲۰۰۹ء کو اِس دارِ فانی سے رحلت فرماگئے۔ آپ کچھ عرصے سے علیل تھے اور مقامی ہسپتال میں زیرِ علاج تھے۔ علامہ مفتی محمد حسن حقانی کی نمازِ جنازہ بعد نمازِ جمعہ مدنی مسجد، گلشنِ اقبال میں معروف عالمِ دین اور مذہبی اسکالر ڈاکٹر علامہ رضوان احمد نقشبندی کی اقتدا میں ادا کی گئی اور مدنی مسجد، گلشنِ اقبال کے احاطے میں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں سپردِ خاک کردیا گیا۔ نمازِ جنازہ و تدفین میں ہزاروں علما و مشائخ، مدرّسین، عوام اہلِ سنت اور مختلف مدارس کے طلبہ نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ اہلِ سنّت والجماعت

کی عظیم دینی، مذہبی اور سیاسی شخصیت علامہ مفتی محمد حسن حقانی اشرفی رحمۃ اللہ علیہ، مرکزی نائب صدر، جمعیت علمائے پاکستان، سابق ایم پی اے و سابق ناظمِ تعلیمات و نائب مہتمم دارالعلوم امجدیہ و بانی مہتمم جامعہ انوار القرآن و سرپرستِ اعلا جامع مسجد مدنی، گلشنِ اقبال، بلاک ۵ تھے۔ آپ مفتیِ اعظم آگرہ (ہندوستان) مفتی عبدالحفیظ حقانی علیہ رحمۃ الرحمٰن کے فرزندِ ارجمند، امامِ اہلِ سنت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی علیہ الرحمہ کے تلمیذِ رشید اور قائدِ ملّت اسلامیہ امامِ انقلاب امام الشاہ احمد نورانی قدس سرہٗ اور شیخ الحدیث علامہ عبد المصطفیٰ الازہری علیہ الرحمہ کے رفیقِ کار تھے۔ آپ نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز گورنمنٹ انجمن اسلامیہ اسکول و کالج سے کیا اور بعد ازاں اپنے استاد (حضرت علامہ عبد المصطفیٰ الازہری علیہ الرحمۃ) کے حکم و ارشاد پر سرکاری ملازمت سے مستعفی ہو کر اپنا اوڑھنا بچھونا خدمتِ دین کو بنالیا اور دارالعلوم امجدیہ، کراچی سے تدریسِ علومِ دینیہ کا آغاز کیا۔ دارالعلوم امجدیہ میں تدریس و نظامت کے ساتھ ساتھ آپ نے ملکی اور قومی سطح پر اہلِ سنّت کے فروغ و اشاعت کے لیے جمعیتِ علمائے پاکستان میں بھی شمولیت اختیار کی۔ آپ کی خداداد قابلیت اور استعداد کے سبب جلد ہی آپ کے اکابرین نے آپ کو مرکزی دھارے میں شامل کرلیا۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں آپ نے جمعیت علمائے پاکستان کے ٹکٹ پر کراچی سے الیکشن لڑا اور ایم پی اے منتخب ہوئے۔ سیاسی مصروفیات کے باوجود آپ نے تدریس و خطابت کو جاری و ساری رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پچاس سال تک درس و تدریس جاری رکھنے کی سعادت نصیب فرمائی۔ ۱۹۹۰ء میں آپ نے گلشنِ اقبال، بلاک 5 میں جامعہ انوار القرآن کے نام سے ایک نئے ادارے کی تاسیس فرمائی جس نے اہلسنّت والجماعت کو ممتاز جید علمائے کرام فراہم کرنے کا شرف حاصل کیا۔ یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔ علامہ مفتی محمد حسن حقانی صاحب کی زندگی انتہائی سادہ، اصول پسند اور انتہائی بہترین نظم و ضبط کی حامل تھی جو کہ ان کے شاگردوں اور وابستگان کے لیے ایک رول ماڈل کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ نے اپنے پس ماندگان میں ہزاروں شاگرد، معتقدین اور محبین کے علاوہ اہلِ خانہ میں ایک بیوہ، دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں چھوڑیں۔ علم و حکمت کا یہ نیّر تاباں جو ۳۰؍دسمبر ۱۹۳۰ء کو آگرہ میں طلوع ہوا تھا، اپنی تمام تر تابانیوں اور درخشانیوں کے ساتھ جمعرات ۱۱؍جون ۲۰۰۹ء بمطابق ۱۷؍جمادی الاُخریٰ ۱۴۳۰ھ کو دنیائے فانی سے غروب ہوگیا لیکن اپنے فیوضات و برکات کے طور پر ستاروں کی مانند چمکتے دمکتے اپنے تلامذہ چھوڑ گئے جو اُن کی روشنی کو تابد پھیلاتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی جملہ خدماتِ دینیہ کو اپنی بارگاہِ عالیہ میں مقبول و منظور فرمائے اور جنت الفردوس میں آپ کے مراتب و مقامات کو بلند فرمائے۔ آمین!

تلمیذِ رشید صدر الافاضل امام الفارسی
حضرت علامہ حلیم احمد اشرفی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ دارالعلوم امجدیہ میں فارسی کے اُستاد تھے۔ دارالعلوم میں طلبا و علما و مدرّسین سب آپ کو نانا کہتے تھے۔ آپ نے پوری زندگی دین کی خدمت میں گزاری۔ آپ کو اعلیٰ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کا شرف حاصل ہے۔ (آپ کے بیعت ہونے کا واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ آپ خود لکھتے ہیں کہ) ہم دو بھائی یعنی میں اور بڑے بھائی مولانا محمد علیم اللہ صاحب

تحصیلِ علم کے لیے جامعہ نعیمیہ، مرادآباد میں داخل ہوئے۔ تعلیمی سلسلہ بہ احسن طریق جاری رکھا کہ حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی اشرفی رحمۃ اللہ علیہ جو مدرسۂ مسکینیہ، دھوراجی، کاٹھیاوار (انڈیا) میں مہتمم تھے۔ آپ نے ایک سال سیدی صدر الافاضل کو خط لکھا کہ اپنے مدرسے سے دو، چار محنتی طالب علم ہمارے مدرسے میں بھیجیں تاکہ ان کی دستارِ فضیلت کا جلسہ ہو اور خاص کر بانیانِ مدرسۂ مسکینیہ دستار بندی کے جلسے کو دیکھیں اس لیے کہ اس علاقے میں اس وقت کوئی دینی مدرسہ ایسا نہیں ہے جہاں سالانہ دستار بندی ہوتی ہو۔ مفتی صاحب کی گزارش کے مطابق سیدی صدر الافاضل نے دو طالب علموں کا انتخاب کیا۔ ایک مولانا آلِ حسن اور دوسرے میرے بھائی محمد علیم اللہ صاحب کا۔ میں چھوٹی عمر کا تھا، اکیلے نہیں رہ سکتا تھا اس لیے میں بھی بھائی جان کے ساتھ دھوراجی چلا گیا اور سال بھر کے بعد مدرسے کی طرف سے جلسۂ دستارِ فضیلت کا اہتمام کیا گیا۔ سیدی صدرالافاضل کو مدعو کیا گیا اور زیب و زینتِ آستانۂ عالیہ اشرفیہ سیدی شیخ المشائخ آلِ و آئینۂ جمال حضرت سید شاہ ابو احمد علی حسین الاشرفی الجیلانی، سجادہ نشین سرکار کلاں کو بھی مدعو کیا گیا۔ وقتِ مقررہ پر اعلیٰ حضرت اشرفی میاں اور سیدی صدرالافاضل دونوں حضرات تشریف لائے۔ دو دن جلسے کا انتظام تھا۔ دوسرے دن فارغ طلبہ کی دستار بندی کے جلسے میں اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کی تقریر دل پذیر ہو رہی تھی۔ اثنائے بیان آپ نے اپنی زبان میں ارشاد فرمایا: "میرا ہاتھ تھام لو، یہ ہاتھ دوبارہ نہ پائی ہو (نہیں پاؤ گے۔" مجمع میں، میں بھی بیٹھا تھا۔ صغر سنی کے باوجود میاں صاحب کی بات میرے دل پر تیر کی طرح لگی اور اسی وقت میں نے بھیا کو کہا کہ میں میاں صاحب کے ہاتھ پر مرید ہونا چاہتا ہوں۔ بھائی صاحب نے کہا، تمہارا سارا خاندان اور تمہارے گاؤں کے آس پاس کے بلکہ قریب کے اضلاع کے لوگ بھی خاندانِ رشیدیہ، جونپور کے متوسل ہیں اور تم اِدھر جانا چاہتے ہو؟ میں نے کہا کہ دل مجبور کر رہا ہے، حضرت کی بات نے مجھے دیوانہ کر دیا۔ بھائی نے کہا، والد صاحب سے اجازت تو لے لو۔ میں نے کہا، والد صاحب تو یہاں سے سینکڑوں میل دور ہیں، جب تک خط جائے، جواب آئے، مجھ میں تابِ صبر نہیں اور پھر میں نے اشرفی میاں کی غلامی کے طوق کو اپنے گلے میں ڈال لیا اور حلقہ بہ گوشِ شہنشاہِ سمنان ہو گیا۔ وللہ الحمد۔ اعلاحضرت اشرفی میاں کی صورت ایسی موہنی اور پیاری تھی کہ اس کو بار بار دیکھنے کو جی چاہتا تھا۔ باوجودیکہ میری عمر کم تھی، ایسی دل کش صورت دیکھی ہی نہ تھی۔ ہمارے شیخ الحدیث مفتی وقار الدین رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ علمائے اہلِ سنّت میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ جیسا کوئی اور عالم خوب صورت نہیں اور صوفیا و درویشانِ خدا میں اشرفی میاں جیسا حسین و دل نشیں نہیں تھا۔ علم و حکمت کا یہ نیر تاباں اپنی تمام تر تابانیوں اور درخشانیوں کے ساتھ منگل ۹ر جون ۲۰۰۹ء بمطابق ۱۵ر جمادی الاُخریٰ ۱۴۳۰ھ کو دنیائے فانی سے غروب ہو گیا۔ لیکن اپنے فیوضات و برکات میں ستاروں کی مانند چمکتے دمکتے اپنے تلامذہ چھوڑ گئے جو اُن کی روشنی کو تا ابد پھیلاتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی جملہ خدماتِ دینیہ کو اپنی بارگاہِ عالیہ میں مقبول و منظور فرمائے اور جنت الفردوس میں آپ کے مراتب و مقامات کو بلند فرمائے! آمین۔ (معارفِ سلسلۂ اشرفیہ، ص:۴)

﴿بہ شکریہ: حافظ راشد احمد خاں رحیمی، کراچی﴾

صاحب زادہ سید وجاہت رسول قادری کی جانب سے مولانا محمد ندیم اختر القادری رضوی کو عطائے خلافت و اجازت

ندیم احمد ندیمؔ قادری نورانی

مولانا محمد ندیم اختر القادری رضوی صاحب کو ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، انٹرنیشنل، کراچی کے صدر صاحب زادہ سید وجاہت رسول قادری صاحب نے بہ روز جمعرات ۱۰ر جمادی الاخریٰ ۱۴۳۰ھ مطابق ۴ر جون ۲۰۰۹ء کو سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ میں اپنی خلافت و اجازت سے نوازا۔ اور پھر اتوار کے دن ۱۸ر رجب المرجب ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۲ر جولائی ۲۰۰۹ء کو اپنے گھر پر ماہانہ محفلِ نعت کے موقع پر اپنے صاحب زادے جناب سید سطوت رسول صاحب کے ہمراہ اپنے دستِ مبارک سے حاضرین کی موجودگی میں باقاعدہ طور پر خلافت نامہ عطا فرمایا۔

قارئینِ کرام کے لیے یہاں مولانا محمد ندیم اختر القادری صاحب کا مختصر تعارف پیش کیا جارہا ہے:

نام: محمد ندیم　ولدیت: محمد اصغر (مرحوم)　تاریخِ پیدائش: 20-12-1965

تعلیم: میٹرک: 1983ء　انٹر آرٹس: 1985ء، بیچلر آف آرٹس: 1990ء۔

ایم اے (اسلامک اسٹڈیز) 1996ء　نیز درس نظامی کی تعلیم بھی حاصل فرمائی۔

عملی زندگی: شعبۂ تدریس سے وابستہ ہیں۔ بحریہ کالج، ایم ٹی خان روڈ، کراچی میں گزشتہ گیارہ سالوں سے اسلامیات کی تدریس کے ساتھ ساتھ طلبہ کو حُسنِ قراءت اور نعت خوانی کی بھی وقتاً فوقتاً تعلیم دیتے رہتے ہیں۔ خوش الحان قاری، نعت خواں اور مقرر بھی ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ کا کلام خصوصیت سے بہترین انداز اور صحتِ لفظی سے پڑھتے ہیں۔

آپ نبیرۂ اعلیٰ حضرت حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں دامت برکاتہم العالیہ سے شرف بیعت رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے اختر القادری کہلاتے ہیں۔

تقریباً ۱۹۸۶ء سے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی سے اعزازی وابستگی ہے۔

دعائے صحت کے لیے خصوصی اپیل

یہ بات بڑی پریشان کن ہے کہ آفتابِ رضویت، جبلِ استقامت، حضور قبلہ مولانا الحاج پیر

مفتی ابو داؤد محمد صادق

قادری رضوی دامت برکاتہم العالیہ (مرکزی امیر جماعت رضائے مصطفیٰ، پاکستان، سرپرستِ اعلیٰ ماہنامہ ''رضائے مصطفیٰ''، گوجرانوالہ شریف) گذشتہ ماہ سے شدید علیل ہیں۔ قارئینِ کرام سے گذارش ہے کہ حضرت صاحب موصوف کی صحت کی بہتری کے لیے خصوصی دعائیں فرمائیں کہ مولیٰ کریم اپنے پیارے حبیب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے وسیلۂ جلیلہ سے حضرت کو سلامت با کرامت اور آپ کا مبارک سایہ تادیر اہلِ سنّت و جماعت پر قائم و دائم رکھے، آپ کے ذریعے سے مسلکِ اعلیٰ حضرت کو مزید عروج بخشے اور بزرگانِ دین کا فیضان جاری و ساری رہے۔ (آمین ثم آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم)

ع ...... ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

طالب دعا: انجینئر محمد حمزہ صدیقی عفی عنہ
مرکزی صدر انجمن فیضان اولیا، پاکستان